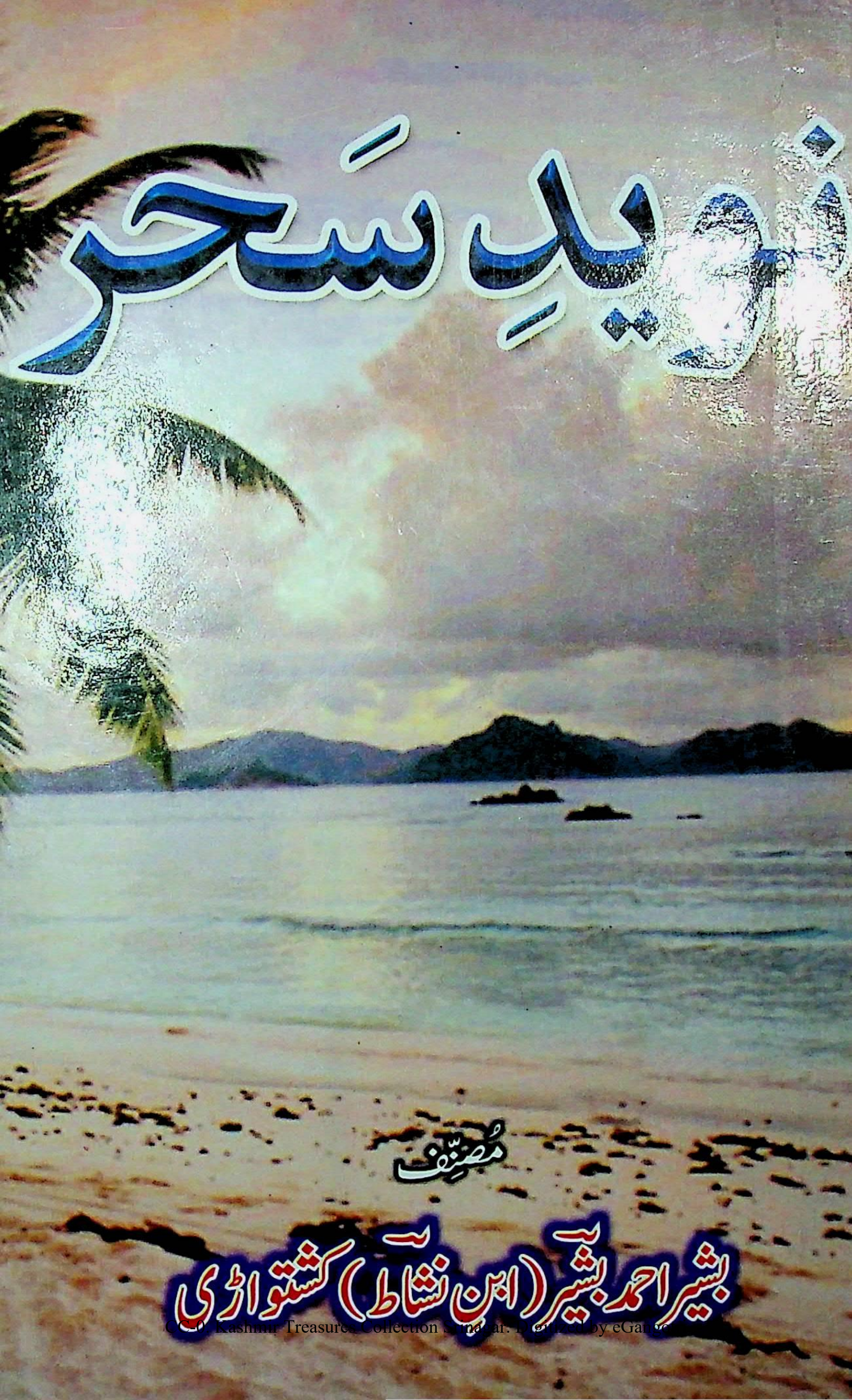

زیبِ سحر
مُصنّف
بشیر احمد بشیرؔ (ابن نشاطؔ) کشتواڑی

نویدِ سَحر

مُصنّف

بشیر احمد بشیرؔ (ابنِ نشاطؔ) کشتواڑی

نامِ کتاب : نویدِ سحر

نامِ مُصنّف : بشیر احمد بشیرؔ (ابنِ نشاطؔ) کشتواڑی

تعدادِ جلد : ایک ہزار

طباعت :

سالِ طباعت : فروری ۲۰۰۸ء

صفحات : ۲۱۲

قیمت : ۴۰۰ روپے

ملنے کا پتہ
بشیر احمد بشیرؔ (ابنِ نشاط) کشتواڑی
نشاط منزل، نزد بس سٹینڈ، کشتواڑ
جموں اینڈ کشمیر - ۱۸۲۲۰۴

ترتیب

عنوانات	صفحہ
مناجات	۱
نعت	۷
نعت	۱۱
لائحۂ عمل	۱۴
بندے کا شکوہ	۲۹
خدا کا جواب	۳۰
شفقت و محبت اور دشمنی میں فرق	۳۱
دُکھ دینے والے بدخواہوں سے کچھ باتیں	۳۷
شاعری	۳۹
کچھ غور طلب باتیں	۴۰
قطعات	۴۶
اخبار ''صدائے کوہسار'' ڈوڈہ	۴۷
قطعات	۵۰
غزلیات از نمبر ۱ تا نمبر ۱۴۱	۵۱

اِنتساب

شعر وشاعری میں میرے اُستاد یعنی والدِ بزرگوارم
قبلہ نشاط کشتواڑی مرحوم اور اُن کی شاعری وشرافت کے نام

نِیز

عدل وحق کی راہ پر ثابت قدمی سے چلنے والوں کے نام

مُناجات

ازل سے گر نہ مخلوقات پر فضلِ خدا ہوتا
یہ ظاہر ہے کہ پھر دُنیائے دُوں کا حال کیا ہوتا
جہانِ رنگ و بُو کس حال میں پھر مُبتلا ہوتا
خدا کی رحمتوں کا گر نہ اِس کوآسرا ہوتا
تری رحمت نہ گر بندہ نوازو مہرباں ہوتی
تو بے شک زندگی کا ساز ہی پھر بے صدا ہوتا
بھلا کیا بیتتی میرے وجود و زندگانی پر
مرے مولا اگر میرا نہ تو مشکل کُشا ہوتا
اگر رحمت تری غالب نہ تیرے قہر پر ہوتی
تو ظاہر ہے ہم ایسے عاصیوں کا حشر کیا ہوتا
گناہوں سے جو بچتے ہیں بچاتا گر نہ تو اُن کو
تو اِن میں سے بھی ہر کوئی سزاوارِ سزا ہوتا
ہم ایسے عاصیوں میں سے نہ بچتا پھر کوئی زندہ
جو عملاً واحدُ القہار ہی تو اے خدا ہوتا
شفا دیتا نہ گر تو اِن مریضوں دردمندوں کو
دوائیں بے اثر ہوتیں مرض بھی لادوا ہوتا

بھلا حقِّ عبُودیّت ادا کب ہوسکا مجھ سے
مجھے توفیق دے مجھ سے بھی کچھ یہ حق ادا ہوتا

ترے دربار میں یہ نالہ زاری ہے نِدا میری
ہمیشہ یوں ہی میں اے کاش مصروفِ دُعا ہوتا

ہلاکت میں پڑا ہوتا میں بے شک اے مرے مولا
گناہوں کا صِلہ اب تک اگر مجھ کو ملا ہوتا

اگر مولا دلوں میں تُو نہ رکھتا باہمی شفقت
جُدا شوہر سے بیوی باپ بیٹے سے جُدا ہوتا

میں تیری بندگی کا حق ادا کرتا رہوں ہر دم
یہی اے کاش میری زندگی کا مُدّعا ہوتا

تری رحمت ہے کرتی پردہ پوشی اپنے بندوں کی
بڑی رُسوائی ہوتی فاش گر سب کچھ ہُوا ہوتا

ہے اِس دنیائے دُوں سے اب ہوئی شرم وحیا رُخصت
ہے فحّاشی و عُریانی کا رقص اب بَرملا ہوتا

تری رحمت اگر سایہ فگن ہوتی نہ دنیا پر
تو یہ سارا جہاں برباد از قہر و بلا ہوتا

خوشی اور کامرانی تیری رحمت سے ہی ملتی ہے
یہاں ہر کوئی ورنہ خُوگرِ آہ و بُکا ہوتا

پکڑتا تو گناہوں پر اگر بندوں کو دُنیا میں
نہ بچتا پھر کوئی زندہ یہ عالم سب فنا ہوتا

محبت تجھ سے جتنی بھی کروں میں اُس قدر کم ہے
میں بھی خوش بخت ہوتا تُو جو میرا دل رُبا ہوتا

یہ تیرا عشق ہے جو زندگی کی غرض و غایت ہے
مرا بنتا مُقدّر میں اگر تجھ پر فدا ہوتا
تجھے شفقت نہ ہوتی گر کلیمُ اللہ موسیٰ کی
تو کوہِ طور پر ایسے نہ تُو جلوہ نُما ہوتا
ضمیر و عقل گر دیتا نہ تو انساں کو اے مولا
تو انساں اور حیواں میں فرق ہی کیا رہا ہوتا
اگر بندے کو مہلت تُو نہ دیتا باز آنے کی
گناہوں سے ہلاکت میں وہ کب کا پڑ چکا ہوتا
مرے مولا ترا اے کاش ہوتا یہ کرم مجھ پر
کہ میں اب معصیت کے دام سے یکسر رہا ہوتا
ہمیشہ بگڑیوں کو تُو بنا دیتا ہے اے مالک
فرق ہی کیا تجھے پڑتا اگر میرا بھلا ہوتا
کسی عابد کو بھی توفیق گر دیتا نہ تُو یارب
کہاں سجدوں میں وہ بھی کر رہا حمد و ثنا ہوتا
کسی عارف پہ کرتا گر نہ تُو فضلِ عظیم اپنا
کہاں اُس کا بھی عالی شان ایسا مرتبہ ہوتا
اگر پیدا نہ کرتا اُمّتِ مُسلم میں تُو مجھ کو
مرا سر بھی کسی پتّھر کے آگے پھر جھُکا ہوتا
تری رحمت نہ ہوتی تو جہنّم زندگی بنتی
جہنم زار دُنیا کا ہی پھر اک سلسلہ ہوتا
جہنّم ہے بنایا ظالموں نے آج دنیا کو
جو مومن ہم سبھی ہوتے تو دشمن ہٹ گیا ہوتا

عنایت عارفوں پر تیری گر ہوتی نہ اے مولا
تو اسرار و معارِف کا نہ دَر اُن پر کھُلا ہوتا

اگر مولا نہ لیتا کام عفوو درگُذر سے تُو
غضب سے تیرے پھر نابُود ہراک پُر خطا ہوتا

عنایت اِس قدر مجھ پر بھی کردے اے مرے مولا
کہ میں بھی نُورِ ایماں سے مُنوّر پُر ضیا ہوتا

اگر بندوں پہ اپنے مہرباں ہوتا نہ تُو یارب
ہراک قہر وغضب سے تیرے اب تک چل بسا ہوتا

کہاں پھر چلتے پھرتے اس زمیں پر آج ہوتے ہم
گناہوں کا جو بدلہ تُونے ہم سے لے لیا ہوتا

جوانسانوں کے دل میں تُو نہ رکھتا رحم اور شفقت
تکبّر بے رُخی سے ہر کسی کا دل جلا ہوتا

جو احساس وضمیر انسان کو دیتا نہ تُو مولا
درندہ بن کے ہر انسان مصرُوفِ جفا ہوتا

اگر اکثر نہ رکھتا روک کر تُو اپنے بندوں کو
سیہ کاری میں ہر کوئی ذلیل و خوار سا ہوتا

ترستی رزق کو مخلوق تیری دانے دانے کو
نہ گر تیرا شعار اِس دھر میں جُودو سخا ہوتا

کرم سے اپنے یہ مُمکن بنا میرے لئے مولا
کہ عملِ صالحہ سے میں مُشّرف با تُقا ہوتا

ترے احکام کی تعمیل گر دنیائے دُوں کرتی
تو یہ جلتا ہوا ماحول کتنا جانفزا ہوتا

مُسلماں کوتُو اب پہچان دے ایمان وشیطاں کی
وہ عملِ صالحہ کرتا وہ راضی بررضا ہوتا
اگر ہوتا مسلماں باعمل اور مومن کامل
وہ تیرے حکم سے حاکم زمانے کا بنا ہوتا
صحابہؓ فاتحِ عالم تھے ہم مفتوحِ عالم ہیں
نہ ہوتا آج ایسا گرنہ تُو ہم سے خفا ہوتا
ہم اپنے جُرم وعصیاں کی بھُگتتے ہیں سزا یارب
اگراب بھی سُدھرتے ہم تو اِس میں کیا بُرا ہوتا
تفکُّر، علم کی تحقیق و دانش حکمِ قُراں ہے
مسلماں سب سے آگے ہوتا گر ایسا کیا ہوتا
ہے اِس طوفاں میں بھی غافل مُسلماں کی یہی خواہش
وہ کرتا عیش وعشرت رقص میں نغمہ سرا ہوتا
تُو اِس طوفاں میں غفلت سے جگا مُسلم کو اے مولا
کہ ملّت کے حقوق وفرض سے عہدہ بَرا ہوتا
عمل قُرآن و سُنت پر ہے کُنجی کامیابی کی
مسلماں کامراں ہوتا جو اِس رہ پر چلا ہوتا
نہ پھیلاتا کبھی دامن میں تیرے غیر کے آگے
تری ہی یاد سے گراپنی جھولی کو بھرا ہوتا
نہ کوئی پیاس میری رُوح اور دل میں کبھی رہتی
تری ہی یاد کے چشموں سے گر پانی پیا ہوتا
نہ جاتے کاش ہم در پر طبیبوں اور حکیموں کے
ترا ہی ذکر ہم کو باعثِ صحت و شفا ہوتا

مُسلسل گر ترے دربار میں رہتا سوال اپنا
زباں سے تیری رحمت کی جواب اِس کا سُنا ہوتا
ترے احکام کی میں نے اگر تعمیل کی ہوتی
تری رحمت کا ہاتھ اب تک مری جانب بڑھا ہوتا

نہ بہلاتا اگر دل کو میں تیری یاد سے یارب
نہ جانے پھر میں اب تک کس ہلاکت میں پڑا ہوتا
اگر اُس کا نہ ہوتا عفو اور فضل و کرم تجھ پر
تو پھر کیا حال تیرا اے بشیؔر بے نوا ہوتا

☆☆☆

نعت

جب حشر میں ہم لرزاں در خوف و سہم آئے
دوزخ سے بچانے کو سُلطانِ حرمؐ آئے
مت روؤ گنہگار و اب دل میں نہ غم آئے
اُمّت کی شفاعت کو وہ شاہِ اُممؐ آئے
شامل ہیں غلاموں میں سرکارِ دو عالمؐ کے
ہم نسبتِ عالی میں با جاہ و چشم آئے
لَولاک ہے تاج اُن کا شان اُن کی لَعَمرُکَ ہے
مدحت یہ بیاں کرتے خود لوح و قلم آئے
مَازاغ حسیں آنکھیں اور زُلف کا کیا کہنا
وَالّیل کے سُنتے ہی جس زُلف میں خم آئے
وہ نُورِ محمدؐ ہی تنویرِ دو عالم ہے
کرنے کو طواف اِس کا آفاق و اِرم آئے
خاشاک گناہوں کے بہہ جائیں نہ کیوں یکسر
برساتا ہوا رحمت جب ابرِ کرمؐ آئے
رُسوا نہ سرِ محشر یہ اُمّتِ عاصی ہو
رکھنے کو بھرم اِس کا وہ شاہِ اُممؐ آئے

نادم ہیں گناہوں پر تائب ہیں خطاؤں سے
روتا ہوا دل لے کر بادرد و الم آئے

لاتقنطو فرماتا جب خود ہے خُدا ہم سے
پھر کیوں دلِ اُمّت میں مایوسی و غم آئے

انوارِ رسالتؐ سے معدوم ہوا باطل
اَللّٰـــہُ اَحَدُ کہتے کعبے کے صنم آئے

اَللہ و ملائک خود پڑھتے ہیں درود انؐ پر
اور صلِّ علیٰ کہتے سب عرب و عجم آئے

پھر کیوں نہ بُراق اپنی تقدیر پہ نازاں ہو
جب ہوکے سوار اس پر سُلطانِ اِرَم آئے

تھا فتح کا وعدہَ حق سرکارِ دو عالمؐ سے
تھے تخت جو شاہوں کے سب زیرِ قدم آئے

اعلان ہی جَاءَ الْحَق اللہ و نبیؐ کا ہے
اور زَھَــقَ الْبَــاطِــل خودکر کے وہ رقم آئے

دربارِ رسالتؐ کا اک عام یہ فیضاں ہے
آزاد ہوئے وہ جو محصُورِ ستم آئے

اِدراک سے بالا تر اعجازِ نُبوّت ہے
عاجز کہ جہاں انساں کی عقل و فہم آئے

دارین کی عظمت تک پھر کیوں نہ رسائی ہو
رہبر جب اُمّت کے خود شاہِ اُممؐ آئے

عاشق جو نبیؐ کے تھے مرکربھی وہ زندہ ہیں
شہدا جیسے زندہ در باغِ اِرَم آئے

دربارِ رسالتؐ میں دُنیا کی نہ تھی وُقعت
مقبُول نہ پھر دولت دینار و دِرم آئے

مٹ جائے مری ہستی در راہِ خُدا یکسر
دیدارِ نبیؐ شاید پھر مُجھ کو بہم آئے

اللہ کی خوشنودی پھر کیوں نہ ملے ہم کو
غم خوار جو اُمّت کے سُلطانِ حرمؐ آئے

اُمّید کے ساتھ یہاں گر خوف بھی لازم ہے
ہم دل میں مگر لے کر اُمیدِ کرم آئے

مظلُوم ہے یہ اُمّت فریاد سُنیں اِس کی
جب آپؐ سے کہنے یہ رُودادِ ستم آئے

ظالم ہے اگر روضۂ اقدس پہ نہ حاضر ہو
گر حج بھی ادا کرنے شیدائے حرم آئے

توحید کا دعویٰ اب ہم لوگ تو کرتے ہیں
جب نفس کو پُوجتے ہم محبُوسِ شکم آئے

بُت سب سے بڑا ہے نفس اور اِس کے پُجاری ہم!
توحید کا پھر بھی ہم بھرتے ہوئے دَم آئے

دکھلائیں بھلا کیا مُنہ سرکارِ دو عالمؐ کو
کاش اَپنی سیہ کاری پر ہم کو شرم آئے

فریاد سُنیں آقاؐ اِس اُمّتِ عاصی کی
جب درد سُنانے یہ مجروحِ اَلم آئے

احکامِ نبیؐ کی گر تعمیل کرے اُمّت
پھر کیوں نہ خدا اِس پر مائل بہ کرم آئے

یہ رحمتِ عالمؐ کا اعجازِ نبوّت ہے
جو غرقِ شقاوت تھے مقبُولِ حرم آئے

طُوفانِ مصائب میں کشتی ہے گھری آقاؐ
فریاد یہ لے کر ہم درماندۂ غم آئے

یہ شانِ نبیؐ دیکھو وہ لوگ جو تھے گمراہ
ہاتھوں میں وہی لے کر ایماں کا علم آئے

اللہ و نبیؐ کا ہی بس نام زباں پر ہو
جب وقتِ نزع میرا ہونٹوں پہ یہ دَم آئے

دربار میں یہ میرے گُلہائے عقیدت ہیں
اے کاش مری جانب اِک نظرِ کرم آئے

پھر کیوں نہ بشیؔر اس کی تقدیر بدل جائے
جو شہرِ مدینہ میں با دیدۂ نَم آئے

☆☆☆

نعت

نبیؐ ہے سرورِ عالمؐ وہ محبوبِ خدا بھی ہے
وہی ہے ہادیِ برحق امامُ الانبیاؐ بھی ہے
سہارا روزِ محشر ہم کو اِس اُمید کا بھی ہے
اگر طوفانِ غم ہے تو وسیلہؑ مُصطفےٰ بھی ہے
قسم کھائی ہے اُنؐ کی جان کی خود حق تعالیٰ نے
تو کیا اِس شانِ کا دنیا میں کوئی دوسرا بھی ہے؟
یہی نُورِ مُحمّدؐ باعثِ تخلیق عالم ہے
جبھی قرآں میں لولاک لما کہتا خدا بھی ہے
عیاں ہوتی حقیقت ہے یہی لولاک لمّا سے
نبیؐ کی شان کا اظہار حق کا مُدّعا بھی ہے
جسے شانِ لَعَمرُکَ پر ہے زیبا تاجِ لولاکی
وہی سُلطانِ عالمؐ ہے امامُ الانبیاؐ بھی ہے
ارسطو اور فلاطوں طفلِ ناداں سامنے جس کے
وہی گنجینۂ اسرار ہے نُورُ الھدیٰ بھی ہے
وہ جس کے حکم سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا
وہی شمس الضحیٰ بدرُ الدُّجیٰ خیرُ الورا بھی ہے

وہ جس نے چاند کے ٹکڑے کیئے بس اک اشارے سے
وہی طٰہٰ وہی یٰسین شہِ ہر دوسراؐ بھی ہے

وہ جس نے زندگی بخشی سِسکتی آمیّت کو
وہی قائد وہی رہبر حبیبِ کبریاؐ بھی ہے

سب انسانی حقوق اِس دھر میں تھے ہو چکے پامال!
کیئے پھر سے بحال اُس نے جو فخرِ انبیاؐ بھی ہے

مٹانا ظُلم کو انصاف اور حق سب کو دِلوانا
یہی ہے مُدّعا اُس کا جو شاہِ اَصفیاؐ بھی ہے

نہ پہچانا اگر کُفّار نے اسلام کو اب تک
یہ بدبختی ہے ان کی جہل کی یہ انتہا بھی ہے

نہ غالب آسکا میں نفسِ امّارہ و شیطاں پر
یہی غم ہے مجھے آقاؐ اسی کی التجا بھی ہے

کہا لَا تَقۡنَطُوۡ مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰه گر خدا نے ہے
تو شافع اُمّتِ عاصی کا وہ خیرُ الوریٰ بھی ہے

کیا برباد مجھ کو خواہشاتِ نفس نے آقاؐ
یہی بس جُرم ہے میرا یہی میری خطا بھی ہے

گناہوں سے بھرا اعمالنامہ ہے اگر میرا
سہارا عاصیوں کو سرورِ کونینؐ کا بھی ہے

محبت سرورِ کونینؐ کی مجھکو عطا ہو اب
اسی میں ہے شفا میری یہی میری دوا بھی ہے

مٹے عشقِ نبیؐ میں کاش اَب ہستی مری یارب!
یہی میری تمنّا ہے یہی میری دُعا بھی ہے

مِری عشقِ نبیؐ میں زندگی ساری گزر جائے
یہی ہے انتہا میری یہ میری ابتدا بھی ہے
نہایت پُر خطر دنیائے دُوں کے تیر ہیں آقاؐ
جگر چھلنی ہے اِن سے اور دل اب رو رہا بھی ہے
یہ وَاعتَصِمو بِحَبلِ اللہ ہے حُکمِ خدا بے شک
مگر نا اتّفاقی میں یہ اُمّت مبتلا بھی ہے
نہیں پابند اب قرآن و سُنّت کی ہے یہ اُمّت
ہے یہ مغرب زدہ اور معصیت میں مُبتلا بھی ہے
دُعا فرمایئے اُمّت کے حق میں یا نبی اللہؐ
ہدایت دے ہمیں اب وہ خدا جو بخشتا بھی ہے
گُناہانِ کبیرہ کے لئے تیری شفاعت ہے
صحابہؓ کی روایت سے حدیثوں میں لکھا بھی ہے
ترے دربار میں ہوتے ہیں پیش اعمال اُمّت کے
وہاں رُسوا نہ ہوں میں اِس سے یہ دل کانپتا بھی ہے
مرے دل پر بھی اک نظر کرم فرمایئے آقاؐ
نہیں جلتا چراغِ دل کہ یہ اب گُل ہوا بھی ہے
جو ارشادِ نبیؐ ہے ''صبر ہر حالت میں بہتر ہے''
فلاحِ دین و دنیا کا یہ نسخۂ کیمیا بھی ہے
جو احمدؐ نام اُنؐ کا حق نے رکھّا آسماں پر ہے
زمیں پر اسمِ آنسرور مُحمّد مصطفیٰؐ بھی ہے
پہنچتا جائے ہر دم اے بشیرؔ اُن تک درود اپنا
تو اِس سے بڑھ کے کیا اِس زندگی کا مُدّعا بھی ہے

لائحۂ عمل

اپنا مقصد عملِ صالح کو بنانا چاہئے
نیک کاموں سے ہی اپنا دل لگانا چاہئے
ہم ہوئے پیدا کہ ہو سب کے عمل کا امتحاں!
وعدۂ میثاق کو اب تو نبھانا چاہئے
ساری خلقت ہے عیالِ خالقِ ارض و سما
اس لئے اوروں کے بھی کچھ کام آنا چاہئے
چاہتے گر ہو فلاحِ دین و دنیا دوستو
غمزدوں کے دل سے درد و غم مٹانا چاہئے
نیکیاں کرنا ہو جب مقصد کسی کا دھر میں
دل جلوں کے زخم پر مرہم لگانا چاہئے
جب کوئی بھٹکا ہوا ہو زندگی کی راہ میں
اُس کو جا کر راستہ سیدھا دکھانا چاہئے
خدمتِ انسانیت دنیا میں ہے یہ بہتریں
درد و غم سے دردمندوں کو چھُڑانا چاہئے

زندگی میں صبر کا دامن نہ چھوٹے ہاتھ سے
کامرانی کا یہ نُسخہ آزمانا چاہئے
دوسروں کا چھین کر حق جو مناتے ہیں خوشی
کوئی اچھا سا سبق اِن کو سکھانا چاہئے
ساتھ سچّائی کا دینا چاہئے ہر حال میں
عدل و حق کا دھر میں سکّہ بٹھانا چاہئے
اپنی سچّائی پہ جب ہم کو ہو پورا اعتماد
بات کو ہمّت سے پھر آگے بڑھانا چاہئے
اہلِ دنیا سے نپٹنا حوصلے کا کام ہے
چوٹ کھا کر اِس جہاں میں مُسکرانا چاہئے
چاہئے ہم کو نپٹنا ہر مصیبت سے یہاں
جب نہ کچھ بھی ہو سکے آنسو بہانا چاہئے
ظلم کے اِس دور میں جن کا کہ سب کچھ لُٹ گیا
ایسے بیچاروں پہ بھی کچھ ترس کھانا چاہئے
تم اگر چاہو کہ تم پر بھی ہو قدرت مہرباں
کوئی خطرے میں ہو تو اُس کو بچانا چاہئے
ظلم کرنا دل دُکھانا ہیں یہ دونوں پُر خطر
واحدُ القہّار سے کچھ خوف کھانا چاہئے
جھوٹ رشوت بے ایمانی بُغض و بد چلنی حسد
ہم کو ایسی حرکتوں سے باز آنا چاہئے

اِس جہاں میں ہے بُرائی بھی بُری صحبت بھی ہے
اِس نحُوست سے ہمیں خود کو بچانا چاہیے

جُرم وعصیاں کی کثافت سے بچائیں خود کو ہم
ہم کو تقویٰ کے گُلستاں میں نہانا چاہیے

ہم سے ہے انسانیت کا یہ تقاضا دوستو
رُوٹھ جائے کوئی تو اُس کو منانا چاہیے

جن کے یاد آنے سے اپنا دل سدا مجروح ہو
ایسی باتوں کو سراسر بھُول جانا چاہیے

گھیر لے جب دل کو رنج وغم تو رکھّو حوصلہ
گیت کوئی درد و غم کا گنگنانا چاہیے

زندگی میں درد وغم ہیں مشکلیں آفات بھی
ہم ہیں مُتوکّل نہ ہم کو لڑکھڑانا چاہیے

اہلِ دنیا سے چھپائیں داغہائے دل کو ہم
اپنے خالق کو ہی رو رو کر سُنانا چاہیے

زندگی کی تلخیوں کو جو نہ بالکل سہہ سکے
ایسے بُزدل کو نہ پھر دنیا میں آنا چاہیے

زندگی میں جب فرائض اپنے سر پر آپڑیں
پھر خوشی سے ہم کو یہ سب کچھ نبھانا چاہیے

گر کوئی انصاف کی کُرسی پہ بیٹھے دھر میں
حق تو مظلوموں کو ظالم سے دلانا چاہیے

ظلم کا سیلاب تو ہم کو بہا کر لے گیا
نا اُمیدی میں نہ ہم کو ڈگمگانا چاہئے

اہلِ حق اور اہلِ عرفاں کی کریں تعظیم ہم
دُوسروں سے بھی ادب ان کا کرانا چاہئے

خصلتِ بد سے کرے گر ہم پہ کوئی ظلم بھی
اس سے بھی برتاوَ اپنا مُخلصانہ چاہئے

ظلم اور بُغض و حسد کرتا ہے دنیا کو تباہ
اس جلی دنیا کو شفقت سے سجانا چاہئے

سب سے ہم برتاوَ نرمی سے کریں اخلاق سے
طور اپنا تو نہ ہرگز جاہلانہ چاہئے

یہ بڑی بدکاری و بد خصلتی کی بات ہے
دل کسی کا بھی نہ دنیا میں دُکھانا چاہئے

انتہا پر ہم اگر جائیں تو یہ اچھا نہیں
سارے کاموں میں وطیرہ درمیانہ چاہئے

کام لوگوں کے بنانا عہدہ داروں کا ہے فرض
کر کے حق تلفی نہ اِن کو پھر ستانا چاہئے

دل سبھی کا جیت لیں ہم نیکی و اخلاق سے
یہ مقامِ اِنساں کے دل میں ہم کو پانا چاہئے

شفقت و انسانیت میں ہار ہی تو جیت ہے
جیتنا اِس میں ہو تو پھر ہار جانا چاہئے

جو زباں سے اپنی ہمدردی دکھاتے ہیں ہمیں
ان پہ عملاً اپنی ہمدردی جتانا چاہیے
ناتواں ہیں جو زبانی ہیں بُرائی کے خلاف
ورنہ اپنے ہاتھ سے اِس کو مٹانا چاہیے
راہِ حق میں عزم وہمّت ہے تو پھر ایماں بھی ہے
ہار کر ہمّت نہ ایماں کو گنوانا چاہیے
راہِ حق میں ہے یہ دُنیا نفس و شیطاں سدِّ راہ
جو بھی حائل ہو اُسے رہ سے ہٹانا چاہیے
بیکسوں بیواؤں محتاجوں یتیموں کی طرف
ہاتھ ہر امداد کا آگے بڑھانا چاہیے
رُوح پرور اِس کا نغمہ دل نشیں آواز ہو
زندگی کے ساز کو ایسے بجانا چاہیے
پردہ پوشی اپنے بندوں کی خدا کرتا ہے خود
دوسروں کا عیب ہم کو بھی چھُپانا چاہیے
یہ حماقت ہے کہ ایماں بیچ کر دنیا ملے
ورنہ دانائی ہے کچھ ایماں کمانا چاہیے
ہم کو دنیا کی محبت نے ہے اندھا کردیا
آخرت کی چاہ بھی دل میں بسانا چاہیے
عیش وعشرت اور گناہوں میں سدا ہم مست ہیں
کچھ خدا کا خوف بھی دل میں سمانا چاہیے

کیوں کریں ایسا کہ کوسے ہم کو اپنا ہی ضمیر
اپنی نظروں میں نہ خود کو یوں گرانا چاہیے
کیوں نہ کچھ ایسا کریں ممکن ہو اپنی مغفرت
رحمتِ حق کو بھی کوئی تو بہانہ چاہیے
حیف ہے زانی شرابی ہو مسلماں بھی اگر
ایسی بدبختی سے دامن اب چھڑانا چاہیے
کیوں گرائیں پستی و ذلّت میں ہم اپنا عمل
ایسی پستی سے ذرا خود کو اُٹھانا چاہیے
مِلّتِ بیضا پہ تو واضح ہے یہ منشائے حق
دینداروں کا ہی مسکن ہر گھرانہ چاہیے
خود ہی اپنے نفس و شیطان کی کریں تادیب ہم
یہ سبق اِس نفس کو خود ہی پڑھانا چاہیے
اُس خدا سے ہو محبّت جس نے دیں سب نعمتیں
لب پہ اُس کی ہر عنایت کا ترانہ چاہیے
جیسے ممکن ہو گناہ و جُرم سے بچتے رہیں
زندگی اپنی جہاں میں زاہدانہ چاہیے
ہم پہ اللہ و نبیؐ کا بے شُبہ احسان ہے
اِن سے تو اپنی محبّت والہانہ چاہیے
کھو گئی عقلِ سلیم ایمان بھی پھر کھو گیا
عقل ہی کی سان پر خود کو چڑھانا چاہیے

بنتی قاتل ہے یہ دنیا سچ اگر کوئی کہے
بات سچّائی کی پھر بھی تو بتانا چاہئے

جو ضعیف و ناتواں بیمار اور معذُور ہیں
ترس اُن پر کھا کے ہاتھ اُن کا بٹانا چاہئے

آج مادی دَور میں سب کھو گئے دل کا سکوں
اس لئے اب یادِ حق پر دل جمانا چاہئے

موت آکر ہی رہے گی کوئی جتنا بھی جیئے
فکرِ عُقبیٰ اس لئے کچھ عاقلانہ چاہئے

حکمراں ہو یا کوئی افسر ہو یا ہو کوئی جج
فیصلہ ہر ایک ان کا مُنصفانہ چاہئے

جب حکومت یا دفاتر کا ہو کوئی عہدہ دار
پھر نہ کوئی حکم اُس کا ظالمانہ چاہئے

حکمرانوں عہدہ داروں کا ہو نمرُودی مزاج
قوم کا ردِ عمل پھر باغیانہ چاہئے

اہلِ منصب کے لئے ورنہ یہی ہے بہتریں
اِن کا لوگوں سے رویّہ خادمانہ چاہئے

عہدہ داروں کا ہے لوگوں سے ہی ہوتا واسطہ
کیوں نہ پھر برتاوَ اِن کا مُشفقانہ چاہئے

حکمراں یا کوئی عہدہ دار جب کُرسی پہ ہو
جو قدم بھی وہ اُٹھائے عادلانہ چاہئے

چار دن کے ہیں یہ عہدے چار دن کی زندگی
اس لئے برتاؤ سب سے دوستانہ چاہئے

ظلم واستحصال و رشوت سے جو باز آتا نہیں
اُس کا پڑھنا پھر جنازہ غائبانہ چاہئے

جو کرے ہم سے بُرائی اُس سے ہم نیکی کریں
اپنی نیّت بھی نہ اُس پر دُشمنانہ چاہئے

نفس پر ہم پائیں قابُو کیوں نہ ہوں پھر کامیاب
ہر قدم اِس سمت میں اب فاتحانہ چاہئے

ہم کسی سے جو کریں برتاوَ اُس میں ہو خلوص
پھر نہ ہرگز چال اپنی شاطرانہ چاہئے

ہم گنوائیں عقل وایماں پھر بھی ہم غُصّہ کریں
ایسی حالت میں رویّہ صابرانہ چاہئے

ہو بحث نرمی سے جب ہو نظریاتی اختلاف
اس میں استدلال اپنا عالمانہ چاہئے

جو عمل بھی ہم کریں ہو آخرت کے واسطے
مقصد اس کا وہ حیاتِ جاودانہ چاہئے

سارے عملوں میں خوش اخلاقی ہی افضل ہے عمل
ہم کو اخلاق اپنا اعلیٰ تر بنانا چاہئے

اچھے کاموں اور پیشے پر تو لازم ہے عبُور
کام تعمیری ہو تو پھر ماہرانہ چاہئے

حد سے بڑھتا جائے ظالم کُشت وخوں کرتا پھرے
ہاتھ اُس کا روکنا پھر جابرانہ چاہئے

سائنس وٹیکنالوجی پر ہو ہمیں پورا عبُور
علم لیکن دین کا تو مُفتیانہ چاہئے

سائنس وٹیکنالوجی سے ہم کو مارا غیر نے
اس کو حاصل کر کے اب خود کو بچانا چاہئے

حق نے ہم کو تیل ومعدنیات کے تحفے دئے
اس سے بڑھ کر کونسا ہم کو خزانہ چاہئے

ہم ہیں نالائق نکمےّ اِس میں حق کا کیا قصور
ہم کو آپس میں ہی لڑنے کا بہانہ چاہئے

غیر نے سوچا کہ کیسے غلبہ اِس اُمّت پہ ہو
اِس کی خاطر اِن کو آپس میں لڑانا چاہئے

بیوقوفی بے ایمانی سے لڑے آپس میں ہم
اس لئے چُپ چاپ اب یہ مار کھانا چاہئے

جس پہ طوفانوں میں مستِ خواب احمق ہوں سوار
ایسی کشتی کو کہیں پھر ڈوب جانا چاہئے

کس طرح جانے کوئی اسرارِ حق اِن کے رمُوز
اس کی خاطر تو نگاہِ عارفانہ چاہئے

صبر اور نیکی سے ہو آراستہ اپنا وجُود
زندگی اپنی جہاں میں دلبرانہ چاہئے

آتشِ دوزخ ہے بے شک بدمعاشی کی سزا
غیر عورت سے نظر اپنی ہٹانا چاہیے

فیصلہ ہم خود کریں اس کا کہ اپنی زندگی
مُجرمانہ چاہئے یا صالحانہ چاہیے

سوچ اپنی اِس جہاں میں سب مسائل کے لئے
عاقلانہ عادلانہ بالغانہ چاہیے

خود کریں ہم طے کہ اِس دُنیا میں اپنی زندگی
شاطرانہ چاہئے یا مُومنانہ چاہیے

کس طرح کا چاہیئے کردار اپنا دھر میں
سوقیانہ چاہئے یا صُوفیانہ چاہیے؟

اپنے کردار و عمل پر دھر میں اپنی نظر
حامیانہ کی بجائے ناقدانہ چاہیے

زندگی اک بسترہ تو نرم پھولوں کا نہیں
اس میں اک جہدِ مُسلسل کاملانہ چاہیے

ہم عمل کا ہوں نمونہ غیر قوموں کے لئے
اس لئے کردار اپنا زاہدانہ چاہیے

قوم کو جو وعظ کرتے پھرتے ہیں یہ وعظ خواں
ان کی اپنی زندگی بھی عابدانہ چاہیے

دوسروں کو وعظ کرنا تو بہت آسان ہے
نفس اپنے پر بھی قابو کاملانہ چاہیے

حق بھی لوگوں کا جو کھائے وعظ خوانی بھی کرے
لازماً اُس کا جہنم میں ٹھکانہ چاہیئے

قرض لاکھوں ہی رُوپے کا جو کہ کر جائے ہڑپ
اُس کو اپنے حشر پر آنسو بہانا چاہیئے

قوم کا سردار و رہبر تو ہے خادم قوم کا
کیا نظر لوگوں پہ اُس کی آمرانہ چاہیئے؟

بارگاہِ حق میں بندہ کیوں ہو کوئی بے وفا
ایسے مالک سے محبت عاشقانہ چاہیئے

بے سکوں دل کو ہے آتا ذکرِ حق سے ہی سکوں
ذکرِ حق کرنا جہاں میں عاملانہ چاہیئے

عمر کتنی چاہیئے اب توبہ کرنے کے لئے
اور کتنا اِس کی خاطر آب و دانہ چاہیئے؟

دعوت و تبلیغِ حق کا فرض ہم کر دیں ادا
کیا مگر اِس میں رویّہ ناصحانہ چاہیئے؟

ساقیا! کیوں جامِ عرفاں سے رہیں محروم ہم
اب تو رندوں کو پلانا ساقیانہ چاہیئے

ہر گناہ و معصیت میں زہر ہے اک پُر خطر
کیوں نہ پھر اس کا اثر ہی مُہلکانہ چاہیئے؟

حکمِ حق حکمِ نبیؐ کے کیوں ہوں نافرمان ہم
کیا یہ اپنی زندگی ہی عاصیانہ چاہیئے؟

آئے جب کوئی ہماری سمت ہو کر پُر خلوص
پھر بھی کیا اپنا رویّہ ماکرانہ چاہئے؟
لوگ جو برتاوٗ ہم سے خاص شفقت سے کریں
اُن سے کیا برتاوٗ اپنا عامیانہ چاہئے؟
نفس جب گمراہیوں میں حد سے بھی آگے بڑھے
لازماً پھر اس کی خاطر تازیانہ چاہئے
آج اِس اُمّت کے ہیں احوال ابتر یا نبیؐ!
اس کی جانب اک نگہ اب معجزانہ چاہئے
گڑ گڑا کر بارگاہِ حق میں ہم مانگیں دُعا
التجا اِس بارگہ میں عاجزانہ چاہئے
ہو مثالی اک نمونہ اپنا کردار و عمل
جس کا غیروں پر اثر بھی صادقانہ چاہئے
غیر قوموں کو اگر کرنا ہو مُتاثّر تو پھر
کیا عمل اپنا جہاں میں فاسقانہ چاہئے؟
ہم کریں غیروں کو مُتاثّر مگر اخلاق سے
اپنا کردار و عمل بھی مومنانہ چاہئے
دینی دعوت ہو جو غیروں کو تو پھر اپنا عمل
کیا جہاں میں کاذبانہ فاجرانہ چاہئے؟
دھر میں ایمانداری اور سچّائی کے ساتھ
نیک اپنا ہر عمل اور فاضلانہ چاہئے

رشتہ داروں اور ہمسایوں سے جو برتاؤ ہو
اجنبی جیسا نہیں وہ محرمانہ چاہیئے

ہم اگر کھائیں پئیں اور عیش و عشرت سے رہیں
پھر نہ ہمسائے کا جینا مُفلسانہ چاہیئے

جلتی نیکی ہے حسد سے جیسے لکڑی آگ سے
پھر کبھی نیّت نہ اپنی حاسدانہ چاہیئے

اُمّتِ مُسلم کو حق نے بہتریں اُمّت کہا
طور اپنا پھر جہاں میں قائدانہ چاہیئے

غیر شرعی غیر اسلامی ذہن ہے جن کا آج
وہ مُنافق ہیں جنہیں اک شاخسانہ چاہیئے

اُخْرِجَتْ لِلنّاس ہے اُمّت کی خاطر حکمِ حق
پھر تو اُمّت کا وطیرہ ہادیانہ چاہیئے

ہیں جو رکھوالے بنے قانون کے اِس دھر میں
اُن کی اپنی ذہنیت کیا مُجرمانہ چاہیئے؟

شاعری میں کوئی شاعر یاوہ گوئی کیوں کرے
شاعری کرنی ہو تو پھر عارفانہ چاہیئے

حکمِ قرآں ہے کہ حق سے ہو اگر کرنی وفا
اپنا سب کچھ راہِ حق میں پھر لُٹانا چاہیئے

وَ ذْکُرُ وُاللّٰہُ کَثِیراً کا ثمر ہے تُفلِحُون
اس پہ ایماں دل میں کامل اور توانا چاہیئے

حکم ہم کو عملِ صالح کا ہے جب حق نے دیا
پھر بھی اپنی زندگی کیا فاسقانہ چاہیئے؟
ہو بنانا گر ہمیں اپنا کسی کو دھر میں
نیکی وشفقت سے اُس کا دل لُبھانا چاہیئے
پانی ہم تک آتو سکتا ہے مگر لائے گا کون
افسروں کو رشوتوں کا آبیانہ چاہیئے
سچ ہمیشہ ہم کہیں حاصل کریں رزقِ حلال
اور ادا کرنی نمازِ پنجگانہ چاہیئے
نا اُمیدی چھوڑ کر اُمیدِ رحمت سے ہمیں
التجا کرنی خدا سے سائلانہ چاہیئے
ہم شریعت اور طریقت اور حقیقت پر چلیں
طے ہمیں کرنا سفر یہ سالکانہ چاہیئے
زہد وتقویٰ کے لئے ماحول بھی ہوسازگار
کام کرنا ہو تو موسم بھی سُہانا چاہیئے
مُشکلوں میں بھی نہ حق سے ہم گلہ شکوہ کریں
حمد ہر حالت میں لب پر شاکرانہ چاہیئے
چند سال اے قوم اس کے واسطے کافی نہیں
کامیابی کے لئے تو اک زمانہ چاہیئے
جارج بُش نے آج قوموں کو بنایا ہے غلام
ایسے بدبختوں کو پھانسی پر چڑھانا چاہیئے

رُوح پرور نغمۂ حق ہم سُنائیں دھر کو
بلبلِ حق کو چمن میں چہچہانا چاہیئے

ہو غریبوں اور بیواؤں یتیموں کی مدد
غم کے مارے اِن گھروں میں شادیانہ چاہیئے

دوسروں سے کر کے نیکی اپنا دل ہوتا ہے شاد
اس لئے برتاوٗ سب سے محسنانہ چاہیئے

دوسروں کی دلنوازی کیوں نہ ہم سیکھیں ذرا
دل دُکھانے کو نہ اپنی خُو بنانا چاہیئے

مشکلوں کا سامنا ہم عزم و ہمّت سے کریں
اِن سے گھبرا کر نہ ہم کو ڈگمگانا چاہیئے

بُش پہ ٹونی بلیر اور شیرون پر دعوٰئے جُرم
بین الاقوامی عدالت میں چلانا چاہیئے

لَاتَــذَرْ کی جو دُعادی نُوح نے کُفّار کو
اب وہی نُسخہ ہمیں بھی آزمانا چاہیئے

بارگاہِ حق میں یہ میری دُعا ہے اے بشؔیر
میری اپنی زندگی بھی صالحانہ چاہیئے

☆☆☆

بندے کا شکوہ

تجھے میرا جینا گوارا نہیں ہے
مِرا کوئی تجھ بن سہارا نہیں ہے
نہ گزری ہے ایسی گھڑی کوئی اب تک
کہ جب میں نے تجھ کو پُکارا نہیں
نہیں کوئی طوفاں ہے جس نے بھنور میں
یہ میرا سفینہ اُتارا نہیں ہے
پڑی ایسی اُفتاد ہے مجھ پہ یارب
کہ بچنے کا اَب مجھ میں یارا نہیں ہے
یہ دل کیوں نہ روئے کہ اب میرے حق میں
مُقدّر کا کوئی ستارا نہیں ہے
تذبذب مرے دل میں کیوں کر نہ آئے
کہ رحمت تری آشکارا نہیں ہے
مری زندگی کا نہیں کوئی لمحہ
تری یاد میں جو گذارا نہیں ہے
گھِری میری کشتی ہے ایسے بھنور میں
کہ جس کا کوئی بھی کنارا نہیں ہے
نہ چھوڑا ہے تُو نے بھی اب تک خُدایا
کوئی تیر جو مجھ پہ مارا نہیں ہے

☆☆☆

خُدا کا جواب

خُدا نے کہا دُور ہی رہ تُو مجھ سے — ابھی تُو نے خود کو سُدھارا نہیں ہے
ترا نفس امّارہ تھا ابتدا سے — ابھی تُو نے اِس کو سنوارا نہیں ہے
ابھی دل ترا ظلمتوں کا ہے مَسکَن — ابھی تُو نے اِس کو نِکھارا نہیں ہے
ہے دل پر تمہارے شیاطیں کا غلبہ — ابھی دل تمہارا ہمارا نہیں ہے
نہ پہچانا اب تک کبھی تُو نے خود کو — تُو انساں ہے حیواں بچارا نہیں ہے
کبھی اپنی کرنی بھی دیکھی نہ تُو نے — جہالت یہ کیا آشکارا نہیں ہے
ابھی حُبِّ دنیا مُسلّط ہے تم پر — تمہارا یہ باطن تمہارا نہیں ہے
جہاد اپنے نفس اور شیطان سے کر — بجز اِس کے کوئی ہمارا نہیں ہے
تُو دے یہ طلاق اپنے اِس نفس کو اب — سِوا اس کے کوئی بھی چارہ نہیں ہے
بہت ہے نجاست ابھی دل میں تیرے — ابھی تُو نے اِس کو نتھارا نہیں ہے
گناہوں پہ رہتا ہے آمادہ ہر دم — یہ کردار کیا تُجھ کو پیارا نہیں ہے
جُدا نفس اپنے سے ہوجا تُو یکسر — وگرنہ تُو ہرگز ہمارا نہیں ہے
تُو اپنے عمل سے بنا اپنی عُقبیٰ — کہ دنیا میں آنا دُوبارہ نہیں ہے
ہے جینا ترا نفس اپنے کی خاطر — یہ حق کے لئے یا خُدارا نہیں ہے
گُنہ کوئی ایسا نہیں جس پہ تُو نے — خود اپنے نفس کو اُبھارا نہیں ہے
سیہ کاریوں میں ترا کوئی ہمسر — یہودی نہیں ہے نصاریٰ نہیں ہے
حقیقت یہ تیری ہے جو ہم نے کہہ دی — فریبِ نظر کا نظارا نہیں ہے
بشیرؔ ایسے ارشادِ حق کا ہے مطلب — ابھی اُس خُدا کا تُو پیارا نہیں ہے

شفقت و محبت اور دُشمنی میں فرق

نظر جس ادا پر فدا ہوگئی
وہی دردِ دل کی دوا ہوگئی

وہاں زندگی کیف زا ہوگئی
جہاں عشق کی ابتدا ہوگئی

محبت کا جلوہ کبھی طور پر
کبھی سِدرۃُ المُنتٰہی ہوگئی

محبت نہیں کوئی دُنیا کی رسم
یہ رسموں سے یکسر جُدا ہوگئی

محبت سے حق کو پُکارا نہ جب
تو پھر اَن سُنی التجا ہوگئی

ملیں راہیوں کو وہاں منزلیں
محبت جہاں رہنُما ہوگئی

نگاہِ محبت میں تاثیر ہے
اسی سے نظر کیمیا ہوگئی

محبت کے دو بول جب بھی سُنے
تو پُرکیف ساری فضا ہوگئی

کہا جب کسی نے تمہارے ہیں ہم
یہ دُنیا بہت خوش نُما ہوگئی

محبت سے ہم کیا بچیں جس میں خُود
خُدائی بھی ہے مُبتلا ہوگئی

جو دو جسم یک جاں ہوئے ہم تو پھر
نمازِ محبت ادا ہوگئی

جہاں نفرتوں نے کئے تھے ستم
محبت وہاں ہمنوا ہوگئی

کبھی دل کسی کا جو توڑا گیا
تو ساری خُدائی خفا ہوگئی

چراغِ محبّت جہاں گُل ہوا
اُداسی وہاں رُونما ہوگئی

علاجِ محبت نہ کر چارہ گر!
مری جاں کو اِس سے شفا ہوگئی

عداوت و نفرت نے بس یہ دیا مُسرّت شکارِ قضا ہوگئی
محبت رہی اور نہ شفقت رہی یہ دنیائے دُوں کیا سے کیا ہوگئی
بھرا جب دلوں میں عداوت نے زہر محبّت ہی مُشکل کُشا ہوگئی
محبت کو چھوڑا تو پھر یوں لگا مری جان مجھ سے جُدا ہوگئی
یہ بُغض و حسد اور عداوت کی مار یہی اب جہاں میں رَوا ہوگئی
ہے بُغض و حسد پر خفا اُس سے حق کہ سرزد یہ جس سے خطا ہوگئی
یہ دُنیا سدا اِس سے ہوگی تباہ تشدّد ہوا گر جفا ہوگئی
عداوت کراتی ہے بدکاریاں محبت مگر پارسا ہوگئی
محبت ہی ناموس و عزت بنی یہی داستانِ حیا ہوگئی
رہے گا مُحبّت کو حاصل دوام جو بنیاد اِس کی وفا ہوگئی
ہر اک سے جو نیکی و شفقت کرے اُسے سر بلندی عطا ہوگئی
جہاں میں جو نفرت عداوت بڑھی یہی اِس جہاں کی سزا ہوگئی
جھُلستا جہاں بُغض کی دھوپ سے محبت ہی کالی گھٹا ہوگئی
کسی دل کی جب دلنوازی ہوئی قبول ایسے دل کی دُعا ہوگئی
جو دنیا پریشاں عداوت سے تھی محبت سے وہ جانفزا ہوگئی
تھی جو شخصیت پُر خطر بُغض سے تو شفقت سے وہ دلرُبا ہوگئی
جہاں والو پھر آؤ شفقت کی سمت کہ وحشت کی اب انتہا ہوگئی
بھنور کیوں ڈبو دے نہ پھر ناؤ کو جو بدنیتی نا خُدا ہوگئی
جہنم بنے کیوں نہ پھر یہ جہاں عداوت ہی جب مُدّعا ہوگئی
جو بُغض و حسد سے ہوئے ہم اُداس محبت ہی پھر آسرا ہوگئی

یہ دل کیوں نہ گائے محبت کے گیت
اسی سے تو دل کو شفا ہوگئی
کیا جب عداوت نے رشتوں کو ختم
محبت نیا رابطہ ہوگئی
محبت بناتی رہی بگڑیاں
اعانت ہی اِس کا صِلہ ہوگئی
محبت کا جب بھی ترانہ سُنا
شبِ غم کی ظُلمت فنا ہوگئی
محبت سے ممکن ہوئی پیش رفت
یہ منزل کی بانگِ درا ہوگئی
نہ کیوں تشنگی دل کی اب دُور ہو
محبت جو دل کی غذا ہوگئی
محبت ہی ہوتی ہے پھر نالہ زن
جو محبوب سے یہ جُدا ہوگئی
اُجڑ کر رہی اُس جگہ زندگی
محبت جہاں بے صدا ہوگئی
محبت کو دنیا نے دھوکہ دیا
یہ دنیا بہت بے وفا ہوگئی
برابر ہے دنیائے دُوں کے لئے
وفا ہوگئی یا جفا ہوگئی
سمجھ لو یہ انسانیت کا ہے قتل
اگر مُشفقوں سے دغا ہوگئی
دلوں میں جو رکھتے ہیں بُغض وحسد
جہنم ہی اِن کی سزا ہوگئی
بنی زندگی غم سے اک بوجھ تھی
محبت سے ہلکی ذرا ہوگئی
محبت مٹاتی ہے سب رنج وغم
دلوں کا یہ دارُالشّفا ہوگئی
ہوئی دشمنی سے جو دنیا تباہ
محبت کی پھر اقتدا ہوگئی
بُرائی میں شفقت کی قیمت نہیں
تو نیکی میں یہ بے بہا ہوگئی
عداوت سے جو زندگی غم میں تھی
وہ شفقت میں غم سے رہا ہوگئی
محبت ملی جیسے سب کُچھ ملا
کہ اِس پر ہی پھر اِکتفا ہوگئی
محبت ہے جو دردِ ہجراں بنی
قیامت سی جس سے بپا ہوگئی
جہاں زندگی کو نہ شفقت ملی
نہیں زندگی اِک بلا ہوگئی
کیئے راستے سب عداوت نے بند
محبت نیا راستہ ہوگئی

یہ شفقت ہی دیتی ہے دل کو سکوں ‎ یہی درخورِ اعتنا ہوگئی
نہ کرتا ہے دشمن سے کوئی گِلہ ‎ محبت ہی شکوہ گِلہ ہوگئی
محبت سے ہے زندگی کی بہار ‎ چمن میں یہ بادِ صبا ہوگئی
ہیں خوش بخت جن کو محبت ملی ‎ عمر جن کی اِس سے سوا ہوگئی
محبت سے پرواں چڑھی زندگی ‎ یہی عدل کا مُقتضا ہوگئی
محبت ہے نغمہ کبھی رُوح کا ‎ کبھی دل کا صدق و صفا ہوگئی
محبت کبھی نُورِ عرفاں بنی ‎ کبھی رُوح کا اِرتقا ہوگئی
محبت کبھی رہنما سُوئے حق ‎ کبھی دل میں نُورالہُدیٰ ہوگئی
محبت کبھی دل کا سوز و گداز ‎ کبھی اصل کا نقشِ پا ہوگئی
دلِ سخت ہے باعثِ معصیت ‎ محبت ہے جو با تُقا ہوگئی
محبت ہی دیتی ہے قُربانیاں ‎ یہ سینہ سپر برملا ہوگئی
یہ منصورؒ و سرمدؒ بنی دار پر ‎ یہی نوشہِ کربلاؑ ہوگئی
محبت ہی گاتی دلوں میں ہے گیت ‎ یہ ہر دل میں نغمہ سرا ہوگئی
محبت ہی دُولہے کا سہرا بنی ‎ یہی دُلہنوں کی حِنا ہوگئی
محبت ہے لیلا ہے مجنوں یہی ‎ یہی تیشہ فرہاد کا ہوگئی
محبت ہی بھرتی دلوں کے ہے زخم ‎ یہ ہر دل کا مرہم سدا ہوگئی
محبت بنی رُتبہَ انبیاء ‎ یہی مرتبہَ اولیا ہوگئی
محبت ولی کی کرامت بنی ‎ یہی معجزہَ انبیا ہوگئی
محبت سدا ماں کی شفقت بنی ‎ تو مُشفق یہی باپ سا ہوگئی
محبت ہی باعث ہے تخلیق کا ‎ یہی زندگی کی بِنا ہوگئی
محبت نے پایا مقامِ فنا ‎ کہ پھر اِسکو حاصل بقا ہوگئی

محبت ہی نعت و مُناجات ہے — محبت ہی حمد و ثنا ہوگئی
محبت ہی مغزِ عبادات ہے — یہی مدحتِ کبریا ہوگئی
محبت چھُپاتی ہے ہر راز کو — یہی رازِ دل کی رِدا ہوگئی
محبت مٹاتی ہے کِبر و غرور — کہ مغلُوب اِس سے اَنا ہوگئی
محبت ہی صدقہ و خیرات ہے — محبت ہی جُود وسخا ہوگئی
محبت ہی برقِ تجلّی بنی — سرِ طُور حق کی نِدا ہوگئی
محبت بنی راہِ حق کا سفر — یہی نُورِ حق کی ضیا ہوگئی
محبت ہی حق پر نچھاور ہوئی — عقیدت میں یہ خاکِ پا ہوگئی
محبت سے صدّیق بندے بنے — کہ جنّت ہی اِن کی جزا ہوگئی
محبت سے درجات اعلیٰ ملے — کہ پھر حق کی حاصل رضا ہوگئی
محبت ہے شقُّ القمر معجزہ — یہی انبیا کا عصا ہوگئی
یہی حقّ و باطل میں وجہِ تضاد — یہی باعثِ اِنخلا ہوگئی
محبت ہے اغیار پر مہربان — یہی محسنِ اقربا ہوگئی
محبت گلے ملتی ہے موت سے — یہی بے نیازِ بقا ہوگئی
محبت سے جب دل ہُوا مطمئن — تو معدوم سب اشتہا ہوگئی
کہو خُلد میں کیوں تھے آدم اُداس — نہ پیدا تھی اماّں حوا ہوگئی
محبت سے بنتا ہے عقدو نکاح — فریقین کی یہ رضا ہوگئی
محبت ہے جو عملِ صالح بنی — یہی رہبرِ اتقیا ہوگئی
محبت سے ہے برگزیدہ کوئی — یہی ہادیِ اصفیا ہوگئی
عداوت نے ننگا کیا تھا جنہیں — محبت ہی اُن کی قبا ہوگئی
نہ جب اہلِ حق کو محبت ملی — وہاں لازمی پھر وبا ہوگئی

محبت کا خاصہ وفا اور خلوص
کہ رُسوا وہاں اِفترا ہوگئی

محبت مگر آ زماتی بھی ہے
کہ لازم ہی پھر اِبتلا ہوگئی

پڑی زندگی جب تھی بے جان سی
محبت ہی پھر کُہربا ہوگئی

محبت ہی دیتی ہے خُوشیاں ہمیں
یہ زندہ دِلی کی بقا ہوگئی

محبت بنی عاشقوں کی ادا
یہی صُوفیوں کی عبا ہوگئی

محبت بنی وہ بُراق النّبیؐ
کہ معراج میں برق پا ہوگئی

محبت دلوں کی ہے ایسی تڑپ
کہ پھر دل کی دھڑکن بجا ہوگئی

محبت بنی درد کی داستاں
محبت ہی آہ و بُکا ہوگئی

محبت دواں عرش سے فرش تک
یہی جانِ ارض و سما ہوگئی

محبت نہیں جانتی مصلحت
یہ آزادِ بیم و رجا ہوگئی

محبت نے پھیلائی خوشبو جہاں
مُعطّر مُعطّر ہَوا ہوگئی

محبت سے کاموں کا اِجرا ہوا
یہی باعثِ التوا ہوگئی

محبت ہے جو عرشِ اعظم بنی
یہی ہے جو تحتُ الثّریٰ ہوگئی

محبت کا مسلک تو ایثار ہے
یہ آزادِ مکرو ریا ہوگئی

جو خود غرضی آتی محبت میں ہے
محبت نہیں اِک جُوا ہوگئی

محبت سے روشن ہے یہ زندگی
یہی تو دلوں کی جِلا ہوگئی

محبت بنی تاج کا وہ محل
عجُوبہ وہ یوں دھرکا ہوگئی

محبت سے قائم وجود و وقار
یہ اِکرام کا سلسلہ ہوگئی

محبت بنی زندگی کا سُراغ
یہ مقصُودِ صبح و مَسا ہوگئی

محبت ہی محبُوب و مطلُوب ہے
یہی دلربا مَہ لِقا ہوگئی

خُدا کا یہ مجھ پر ہے احساں بشیرؔ
محبت ہی میری نَوا ہوگئی

دُکھ دینے والے بدخواہوں سے کچھ باتیں

ہر کوئی خود کو دُکھ سے بچاتا ضرور ہے
میں نے بھی یہ کیا تو مرا کیا قصور ہے
تم نے چلائے تیر لگاتار آج تک
ہم نے بھی خود کو اِن سے بچایا حضور ہے
خود کو تمہارے شر سے بچانا ہے میرا حق
ناراض اِس پہ بھی ہو عجب یہ فتور ہے
میرے لئے کسی کے دل میں جو خیال ہو
ویسا جواب مجھ سے وہ پاتا ضرور ہے
جو بدگماں ہو مجھ پہ اُسے گر جواب دُوں
اس پر وہ کیوں یہ سمجھے کہ یہ بھی غرُور ہے
تکلیف دینے سے تمہیں ہوتی ہے کیوں خوشی
کیوں دل دُکھا کے ہی تمہیں ملتا سُرور ہے
ایذا رسانی میں ہو سمجھتے بڑائی تم
انسانیت ہی کیوں تمہارے دل سے دُور ہے

اوروں کی نکتہ چینی جو کرتا ہے ہر گھڑی
شیطاں صفت ہے ذہن میں اِس کے غرور ہے
کیوں میری خوبیاں بھی نظر آئیں تم کو عیب!
بدخواہی و حسد ہے یہ ذہنی فتور ہے
نرمی سے آدمی کی طرح بات تو کرو
کیا بات بدمزاجی سے کرنا ضرور ہے؟
بد نیتی کے تیر چلاتے جو مجھ پہ ہو
چھلنی جگر ہے اِن سے یہ دل چُور چُور ہے
یہ مثلِ سگاں بھونکنا فطرت ہی ہے تری
حیوانی اِس آواز پہ تجھکو عبُور ہے
نرمی سے خوش آواز و خوش اخلاق تو بنو
حیوانِ بدمزاج بننا اک قصُور ہے
بد خصلتی پہ تیری ہم نے صبر ہی کیا
یہ سب ہے دیکھتا وہ خُدا جو غفور ہے
بد نیتی کے تیر ہیں آواز میں تری
تیرا گلا تو گولیوں کا اک تنوُر ہے
جینے ہے دیتی چین سے دنیا کسے بشیرؔ
بدخواہوں کا اڈّہ یہ مُروّت سے دُور ہے

☆☆☆

شاعری

کہتا ہوں لفظ جوڑ کر میں شاعری کروں
جب دل ہی بجھ گیا ہو یہ کیا شاعری کرے

باقی رہی جو دل میں نہ ہو آس ہی کوئی
کیوں کر یہ پھر سخنوری و دلبری کرے

ہو پاس جس کے کچھ نہ دِکھانے کے واسطے
دنیا کے رُو برو وہ پھر کیا پیش ہی کرے

بنیاد زندگی کی مُسرّت ہے اور اُمید
جب یہ نہ ہوں تو کیا کوئی سخنوری کرے

کرتی نڈھال جب ہے زندگی کی کشمکش
کیا شاعری کوئی بحالِ بےخُودی کرے

ہے شاعری بھی مُنحصر دل کی اُمنگ پر
پتھرا گیا جو دل وہ کیا سُخنوری کرے

دل میں اُٹھے جو درد اُسی کو ہیں کہتے شعر
جب دل میں درد ہی نہ ہو کیا شاعری کرے

جلتا ہے دل جو پیار میں بنتی ہے شاعری
جب دل میں پیار ہی نہ ہو کیا دلبری کرے

دیتی مگر ہے شاعری دل کو سکُون بھی
زخمی جو دل ہیں اُن کی تشفّی یہی کرے

حالات سب کو مارتے ہیں شاعری نہیں
شِکوہ یہ اے بشؔیر نہ اب تُو کبھی کرے

کچھ غور طلب باتیں

نیکی نہ جس میں ہو وہ کوئی زندگی نہیں
مغرور و خود پسند جو ہو آدمی نہیں

اپنے گناہ کے سِوا دُشمن نہیں کوئی
جُز اپنی نیکیوں کے کوئی دوست بھی نہیں

اچھا بُرا ہے کون وہ بس اپنا آپ ہے
اچھے ہوں خود جو ہم تو یہ دنیا بُری نہیں

دل ساتھ نہ دے راہِ حق پہ کون پھر چلے
بنتا نہیں وہ کام جس میں دل لگی نہیں

محروم نُورِ معرفت سے ہو جو آدمی
اندھا بھٹک رہا ہے جس میں روشنی نہیں

تقویٰ سے ہے جہاں میں آدمی کو فوقیت
ورنہ کسی کو بھی کسی پہ برتری نہیں

دنیا کی حرص میں جو بھٹکتے ہیں آدمی
اس میں ہلاکتیں ہیں کوئی بہتری نہیں

عزّت ہیں اپنی چاہتے دنیا میں سب مگر
کردار جب نہ ہو تو یہ ممکن کبھی نہیں

واعظ جو کھائے قوم کا افراد کا بھی حق
وہ ایک لُٹیرا ہے کوئی مُتّقی نہیں

کھاتا جو عہدہ دار ہے لوگوں سے رشوتیں
ڈاکو کی لُوٹ مار ہے یہ افسری نہیں

مجذُوبِ خدا کو کوئی دیوانہ کیوں کہے
یہ رازِ حق ہے دوستو دیوانگی نہیں

مجذُوبیت کا غلبہ جو مستِ خدا پہ ہے
ہوش و خِرد کی انتہا ہے بے خودی نہیں

باتیں یہ عشق و مستی کی باہر ہیں عقل سے
اِن تک رسائی ہوتی کبھی عقل کی نہیں

جادُو کی مصیبت سے بھی نالاں ہے زمانہ
کیا آج ہر جگہ یہی جادُو گری نہیں

جادُو کے ہر مریض پہ حیراں ہیں ڈاکٹر
جب بے اثر دوا ہوئی حکمت چلی نہیں

ہمدرد جو زباں سے ہو دل میں ہو کدُورت
ہے اصل میں یہ دُشمنی یہ دوستی نہیں

کرنا معاف سب سے بڑا انتقام ہے
دشمن ہے پھر وہ دوست جسمیں دشمنی نہیں

روشن دلوں میں ساری کائنات کے ہیں راز
دونوں جہاں میں کوئی شے اِن سے چھپی نہیں

حق جو کرے نہ خالق و مخلوق کا ادا
دونوں کا وہ مُجرم ہے پھر اس سے بَری نہیں

انساں نہیں ہے آدمی اخلاق کے بغیر
نمرُود کی طرح ہے جب اخلاق ہی نہیں

کیا جانے دوسروں کے درد کو وہ آدمی
جس میں کبھی کہ ہُوک درد کی اُٹھی نہیں

انسان کی فلاح کو لازم ہے بس عمل
ڈالر نہیں رُپیہّ نہیں اشرفی نہیں

آئی نہ اُس میں عقل اور انسانیت کبھی
دنیا میں جس نے کھائی ہو ٹھوکر کبھی نہیں

ناکامیوں سے آدمی ہے سیکھتا سبق
سیکھے وہ کیسے جس سے کہ غلطی ہوئی نہیں

ڈالو کسی کی ماں بہن بیوی پہ مت نظر
انسانیت کا ہے یہ قتل دل لگی نہیں

لوگوں سے کیوں نہ شفقت و اِخلاص سے ملیں
اخلاق دلنوازی ہے یہ بے رُخی نہیں

رشتے وہ جوڑتے ہو کیوں دنیائے دُوں میں تم
جن کے دلوں میں باہمی وہ دل لگی نہیں

جو عقل سے نہ کام لے اُس کی ہے یہ مثال
سب کچھ خدا نے اس کو دیا عقل دی نہیں

گھر میں نہ آنے دو کسی بھی بدمعاش کو
ورنہ یہ گھر کی عِصمتیں محفوظ ہی نہیں

آئے جو گھر میں کوئی کہ پردہ نہ جس سے ہو
ہرگز وہ بد چلن نہ ہو اور اجنبی نہیں

دنیا کی سمت نفس اور شیطاں ہے کھینچتا
گمراہی کا یہ دَرس درسِ آگہی نہیں

مظلوم ظلم سہہ کے ہی ہوتا ہے سُرخرو
یہ ہار ہی تو جیت ہے بے چارگی نہیں

جو بوئے یہاں کوئی کاٹتا ہے پھر وہی
قانونِ حق کی رِیت یہ اب تک مٹی نہیں

نیت ہی صاف ہو نہ جب دل ہی نہ صاف ہو
پھر قابلِ قبول ایسی دوستی نہیں

وہ لوگ جن کا دل ہی کہ مجھ پرنہیں ہے صاف
دل چاہتا ہے اُن سے کروں بات بھی نہیں

عُقبیٰ کو فوقیت جو دے دنیا پہ دوستو
ہوش و خِرد کی بات ہے یہ بے حِسی نہیں

کرتے جو عبادات ہیں دنیا میں آج بھی
لگتا خلوصِ دل ہے اِس میں بے دلی نہیں

کیا نفس کی ہو پیروی کہ حق کی پیروی
اس میں بڑا ہے فرق بات ایک سی نہیں
عورت کو نظرِ بد سے جو دیکھے ہے بد چلن
ایسے بھی لوگ ہیں یہاں لیکن سبھی نہیں
ہو مرد بد چلن تو نہ ہوتا ہے کامراں
عورت کے دل میں شیطنت جب تک ہوئی نہیں
کر کے حسد جلائیں کیوں اپنی ہی نیکیاں
یہ بات حماقت کی ہے یہ عقل کی نہیں
دنیا تو سب سمیٹ لی ہے تُو نے حرص سے
کیا پھر بھی تیری پیاس ابھی تک بُجھی نہیں
اوروں کی نُکتہ چینی سے بہتر ہے کہ دیکھیں
خود ہم میں بھی بُرائیوں کی کچھ کمی نہیں
سب کچھ ملا جو تجھ کو مگر وہ خُدا نہیں
خالی ہے تیری گود کبھی جو بھری نہیں
بد باطنی میں ہوتے ہیں وہ لوگ پیش پیش
شفقت ہی جن کے دل میں کسی کی رہی نہیں
انسانیت کی حِس ہی نہ دل میں رہے اگر
پھر یہ بتاؤ کیا یہی بد باطنی نہیں؟
جس میں کسی کے درد کا احساس ہی نہ ہو
ظاہر میں آدمی ہے مگر آدمی نہیں

کہتے ہیں سب ہے دنیا ہماری ہم اِس کے ہیں
دنیا خدا کی مِلکیت ہے آپ کی نہیں
دنیا میں اہلِ دل جو ہے سب کا رفیق ہے
اپنا ہے اصل میں وہی وہ اجنبی نہیں
رکھ پائے کھانے پینے میں کوئی جو اعتدال
ہوتا وہ زندگی میں پھر بیمار ہی نہیں
بیچارہ کیا وہ سمجھے کہ زندوں میں وہ بھی تھا
دل کی کلی ہی جس کی جہاں میں کِھلی نہیں
دنیا تو چلتی ہے کوئی مرتا بھی ہے اگر
دنیا کبھی کسی کے واسطے رُکی نہیں
سچّائی جو ہے صاف وہ کہہ دی بشیرؔ نے
سچّائی سے جہاں میں کوئی شے بڑی نہیں

☆☆☆

قطعہ

جہاں میں آ کے اپنے آپ کو جس نے نہ پہچانا
نہ پہچانا خدا کو اور نہ اُس کے راز کو سمجھا
نہ دنیا میں بھی پہچانی کبھی دنیا کی اصلیّت
سمجھ لو ہے وہ اک حیوان جس نے کچھ نہیں جانا

قطعہ

کرے برداشت انساں گر کسی چھوٹی مصیبت کو
تو پھر اِس سے بہت بھاری مصیبت سے وہ بچتا ہے
"ہے بہتر صبر ہر حالت میں" ہے ارشادِ آنسرورؐ
گُناہوں کی غلاظت کو دلوں سے یہ کھُرچتا ہے

گُناہ و جُرم سے ناراض ہوتا ہی ہے وہ مولا
مگر اِس سے تو دُنیا میں بھی اک کہرام مچتا ہے
گُناہوں پر تبھی انسان ہوجاتا ہے آمادہ
خُدا کا خوف جب اس کی نگاہوں میں نہ جچتا ہے

پکڑتا ہے قرار اِسمِ الٰہی صاف دل ہی میں
جو دل نا صاف ہو اس میں نہ یہ بستا نہ رَچتا ہے
ہیں ایسے وعظ خواں اب خود عمل جن کا نہیں اچھا
نتیجہ یہ کہ اِن کا وعظ لوگوں کو نہ پچتا ہے

بشیرؔ اپنی طرف سے گر عمل اچھا بھی تُو کر لے
مگر سچّا ہے وہ جو حشر میں دوزخ سے بچتا ہے

اخبار ''صدائے کوہسار''

ڈوڈہ سے شایع ہونے والے ہفت روزہ اخبار ''صدائے کوہسار'' کی پانچویں سالگرہ پر اگست ۲۰۰۳ء میں حسبِ فرمائش لکھی گئی حقیقت پر مبنی ایک نظم

کون اِس ضلع کے سب عوام کا ہے ترجماں
کون ہے سب کو سُناتا آج اِس کی داستاں
وہ ہمارا ہفت روزہ ہے ''صدائے کوہسار''
جو کہ حق گوئی سے اپنی دھر میں ہے باوقار
''حق نواز'' اِس کے وہ ایڈیٹر ہیں بے شک حق نواز
جھوٹ، باطل، ظلم کا سب فاش کر دیتے ہیں راز
ظالموں اور قاتلوں کو ہیں یہ کرتے بے نقاب
راشیوں بد دیانتوں کے واسطے یومُ الحساب
حق نویسی اور حق گوئی کی خاطر بے قرار
چاپلُوسی بے ایمانی سے نہیں یہ داغدار
ضلع ڈوڈہ تک ہی وہ اخبار کب محدُود ہے
ساری دنیا کا خبر نامہ جہاں موجود ہے
ہو اگر حق گوئی ہی اخبار کا مافی الضّمیر
ظالموں اور غاصبوں کا وہ نہیں رہتا اسیر

کچھ سماجی ہیں درندے کچھ سیاسی اژدہے
جن کے ہاتھوں زندگی کا حق ہی اب پامال ہے

کون ہے مظلوم کا فریاد رَس اب دھر میں
ظُلم کی ہر سُو ہیں گرتی بجلیاں جب دھر میں

پانچ سال اخبار کے اِس ماہ میں پُورے ہوئے
ہے دُعا سب کی کہ یہ اِس دھر میں پھُولے پھلے

تین ہی اوراق پر جو مُشتمل اخبار ہے
کیا ہی اچھا ہو جو یہ تعداد بڑھ کر چار ہے

خوبصُورت حُلیہ اِس اخبار کا ہے دیدہ زیب
اِس کی تحریرات سب ہیں خوشنما اور دلفریب

دوسرے صفحہ میں ہیں جو اشتہار اخبار پر
ہے یہ بہتر منتقل ہوجائیں صفحہ چار پر

اوّلیں صفحہ وہ اِس کا اور ایڈیٹوریل
سارے سچّے واقعات اِن میں ہیں باموقع محل

جو ''مُنوّر'' نام کے ''غفّار'' صاحب اِس میں ہیں
سامنے لاتے ہیں شیطانوں کی اصلی صُورتیں

''سات افواہوں'' میں ہیں پوشیدہ وہ سچّائیاں
جو دکھاتی حکمرانوں کی ہیں بد کرداریاں

ترجمانی ہے یہی ہر قارِیِ دلگیر کی
ہے عیاں اِس سے حقیقت دھر کی تصویر کی

کیوں ہو استحصال اب عوام کا اے حاکمو!
کیوں غریبوں کو نہ حق اپنا ملے یہ تو کہو

گھر بناتے اپنے ہو اوروں پہ ڈاکہ ڈال کر
پالتے یوں افسروں کو بھی ہو خود کو پال کر

پوسٹ مارٹم کرتا اِن کا ہے "صدائے کوہسار"
گُونجتی اب دھر میں یُوں ہے نِدائے کوہسار

ساتھ حق گوئی کے بیبا کی ہے اِس اخبار میں
یوں دلِ مُضطر کی صد چا کی ہے اِس اخبار میں

چار چاند اخبار کو لگ جائیں ہے میری دُعا
اے بشیر اپنے خُدا سے ہے یہ میری التجا

☆☆☆

قطعات

(۱)

شاعری میں کام تک بندی سے تو چلتا نہیں
اور بناوٹ کا تخیّل شعر میں ڈھلتا نہیں
شعر میں جب تک نہ دل کا درد ہی دمساز ہو
شعر بن سکتا نہیں فن کا بھی گرا عجاز ہو

(۲)

جو ٹی وی پر ہیں فلمیں اور ڈرامے بُت تراشی ہے
یہ آذر کا ہے پیشہ اور یکسر سنگ پاشی ہے
فقط جائز حدوں میں پیار حق پر ہو تو اچھا ہے
وگرنہ ظُلم ہے یہ جُرم ہے اور بدمعاشی ہے

☆☆☆

غزلیات

(۱)

بے سُود ہے گفتار جو کردار نہیں ہے
کردار ہو تو حاجتِ گُفتار نہیں ہے

یہ عشق ہے یہ فلسفۂ افکار نہیں ہے
یہ مثلِ عقلِ خود کا پرستار نہیں ہے

دُنیائے دُوں ہے حُسن کا دربار نہیں ہے
مُختار یہاں عشق کی سرکار نہیں ہے

دل ہی جو توڑ ڈالے وہ دلدار نہیں ہے
کرتا جو محبت ہے گنہگار نہیں ہے

اے دل جلو! یہ اَشک یہاں دیکھتا ہے کون!
اہلِ جہاں کو اِن سے سروکار نہیں ہے

کس کس کی ہم شکایتیں کرتے پھریں یہاں
ہے کون وہ جو درپئے آزار نہیں ہے

کیا جانے دردِ دل کہ یہ دنیا ہے سنگدل
یہ درد یہاں لائقِ اظہار نہیں ہے

کیوں اپنے دل میں تُم لئے پھرتے ہو مُروّت
اِس کا جہاں میں کوئی خریدار نہیں ہے
انسان پھر بھی دُور سمجھتا ہے موت کو
ہے جانتا یہ سانس وفادار نہیں ہے
شرمندہ کرے ہم کو نہ احساں سے کوئی فرد
دل ایسی چوٹ کھانے کو تیار نہیں ہے
آزادیٔ دل ہوتی ہے احسان سے سلب
کیا اس سے یہ ضمیر زیرِ بار نہیں ہے؟
ہے خواہشاتِ نفس کی ہر سمت حکومت
ہے کون وہ جو اِس میں گرفتار نہیں ہے
اے نفس! بیشتر تُو خطا کار ہی رہا
کرتا مگر اِس کا کبھی اقرار نہیں ہے
سارا جہاں سمیٹ لے تُو پھر بھی تیرے پاس
کچھ بھی نہیں جو اِک دلِ بیدار نہیں ہے
اُستاد کو نہ دیکھے حقارت سے زمانہ
کیا اصل میں یہ قوم کا معمار نہیں ہے
مظلوم کی ہر آہ ہلاتی ہے عرش کو
یہ آہ تو جاتی کبھی بیکار نہیں ہے
دنیا میں بہت لازمی ہے عزمِ مُصمّم
یہ ہو تو کوئی مرحلہ دشوار نہیں ہے

مرغوب اب اِس دھر کو رشوت ہے دھاندلی
ہے کون وہ کہ جس کو اِس سے پیار نہیں ہے
رشوت کے بل پہ چلتا اب ہے دھر کا نظام
اہلِ جہاں کو اِس سے اب تو عار نہیں ہے
قسمت میں غریبوں کی کہاں راحت وعزّت
وُقعت ہی کیا ہے اُس کی جو زردار نہیں ہے
گاتا ہے گیت دولت و طاقت کے زمانہ
دیتا مگر یہ دل جلوں کو پیار نہیں ہے
دل میں نہ درد ہو تو کہاں شاعری بھی ہو
کیا درد ہی سرمایۂ اشعار نہیں ہے؟
مظلوم کا ہے ترجماں حق گو ہے تُو بشیرؔ
ظالم سیاہ رُو کا طرفدار نہیں ہے

☆☆☆

(۲)

زمانے کو اگر میں دردِ دل دکھلا نہیں سکتا
کوئی شِکوہ بھی کیا میری زباں پر آ نہیں سکتا
مری خاطر علاجِ دردمندی بھی ہے لاحاصل
کوئی نُسخہ دلِ مجروح کو بہلا نہیں سکتا
تم اے عیش وطرب میں مست ہو کر جھومنے والو
کوئی تم میں سے دردِ دل کی دولت پا نہیں سکتا
کوئی بنگال کا جعفر ہو یا صادق ہو دکّن کا
مُورِّخ کے قلم سے وہ تو بچ کر جا نہیں سکتا
جو اپنے ہی لئے جیتے ہیں اُن سے یہ ذرا کہہ دو
کہ اُن کا دل حقیقی وہ مُسرّت پا نہیں سکتا
بنا ہے عالمی پولیس مین امریکہ دنیا میں
مگر قوموں کا سر وہ جبر سے جھکوا نہیں سکتا
کبھی مقبولِ حق یہ نفس کی خواہش نہیں ہوتی
جہاں میں سربلندی کوئی اس سے پا نہیں سکتا
بشیؔر اِس دور میں جو خود بُرائی میں مُلوّث ہو
وہ راہِ راست پر اوروں کو بھی پھر لا نہیں سکتا

(۳)

شبِ تاریک نے دنیا میں گر وحشت بڑھائی ہے
مگر ہر شب کے بعد اک صبحِ نَو بھی مُسکرائی ہے

حضورِ گُل میں یہ شبنم ازل سے روتی آئی ہے
مگر اِس کا صِلہ گُل کی وہی بے اعتنائی ہے

یہ بگڑی غم نصیبوں کی کسی نے کب بنائی ہے
یہاں قسمت کے ماروں کا مُقدّر بے نوائی ہے

کسی کی حرصِ نفسانی نے جب کی رہنمائی ہے
جہاں میں پھر کبھی اُس نے کوئی عزّت نہ پائی ہے

یہاں آفت زدوں نے جب بھی قسمت آزمائی ہے
تو محرُومی سدا اِن کا مُقدّر بن کے آئی ہے

جہاں میں ہے نہایت اہمیت تخلیق کاری کی
مگر اِس میں تو لازم پہلے نیت کی صفائی ہے

بنا ہے عالمی داروغہ اب امریکہ دنیا میں
سُپر طاقت ہے یا نمرودِ ملعوں کی خُدائی ہے

کسی کو حق نہیں جا کر کرے اوروں پہ بمباری
یہ امریکہ کی دہشت گردیوں کی کارروائی ہے

بشیرؔ اِس دَور میں مانا کہ انساں نے ترقّی کی
مگر انسانیت مظلوم بن کر روتی آئی ہے

(۴)

جہانِ رنگ و بُو میں دل کے افسانوں پہ کیا گزری
فریب و مکر کی دُنیا میں انجانوں پہ کیا گزری

یہاں جو عُمر بھر اک ٹمٹماتی شمع کو ترسے
کہو ظُلمت کدوں میں اُن شبستانوں پہ کیا گزری

درندوں کے تو قصّے ہم سُنا کرتا تھے حیرت سے
یہ انسانوں کے ہاتھوں آج انسانوں پہ کیا گزری

برائے خدمتِ قوم و وطن قائم ہیں یہ لیکن
جہاں ہوتے ہیں دنگے ایسے ایوانوں پہ کیا گزری

جہاں والے تو ہیں الزام بازی میں بہت ماہر
جو ہیں بیزار خود سے اُن پشیمانوں پہ کیا گزری

جو شفقت سے کسی کو پال کر پرواں چڑھاتے ہیں
ہو اِن پر ہی ستم تو اِن مہربانوں پہ کیا گزری

ہیں جن کے خوں سے فربہ سیٹھ صاحب کیوں ہیں وہ بے بس
نہ ملتا حق ہے جن کو ایسے دہقانوں پہ کیا گزری

بھلا بے حِس زمانہ بدگماں دنیا یہ کیا جانے
متاعِ دل کے لُٹ جانے سے دیوانوں پہ کیا گزری

کسی کے تو قدم بھی کامیابی چُوم لیتی ہے
ملے جو خاک میں اُن دل کے ارمانوں پہ کیا گزری

جنہیں سفّاک بدمستوں نے توڑا برسرِ محفل
کہو انسانیت کے ایسے پیمانوں پہ کیا گزری

شمع تو شان وشوکت سے بنی ہے زینتِ محفل
مگر ہم دیکھتے ہیں یہ کہ پروانوں پہ کیا گزری ہے

بنا کرتا تو مجنوں تھا کبھی زینت بیاباں کی
ہوا ناپید جب سے وہ بیابانوں پہ کیا گزری

نہ محنت کا صلہ ملتا ہے جن کو اپنے کھیتوں سے
کہو ایسے پریشاں حال دہقانوں پہ کیا گزری ہے

کوئی کرتا تو نیکی آج کے اِس دَور میں بھی ہے
بدی جن کا صِلہ ہے ایسے احسانوں پہ کیا گزری

عمل اپنے سے جو برباد کردیں آخرت اپنی
کہو دونوں جہاں میں ایسے نادانوں پہ کیا گزری

خجالت اور رُسوائی کی بھی اک حد تو ہے لیکن
پڑھیں چوری کی غزلیں اُن غزل خوانوں پہ کیا گزری

شکار امریکہ اور برطانیہ کے جو ہوئے اب تک
عراقی قوم اور مظلوم افغانوں پہ کیا گزری

بشؔیر اِس دَور میں ایمان بِکتے ہیں ضمیریں بھی
خریدے جو گئے ہیں ایسے ایمانوں پہ کیا گزری

(۵)

ابھی آئے ہو بیٹھو رات ہے بادل بھی کالے ہیں
یہاں تفریح کی خاطر کسی بے کس کے نالے ہیں

کروں کیونکر بیاں اِس دل حزیں کی کیفیت کیا ہے
دلِ ناشاد، داغِ ہجر، درد و غم کے چھالے ہیں

حرج بھی اس میں کیا ہے اک نگہ کی بات ہی تو ہے
ہے کیوں یہ بے رُخی ہم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں

تری دنیا یہ شانِ دلبری ہے دلرُبائی ہے
مری دنیا یہی حرمان و حسرت غم کے نالے ہیں

گلے شکوے ہیں کیوں ہم سے بھلا اِن کی ضرورت کیا
تمہارے غم کے کانٹے ہم نے دل سے کب نکالے ہیں

وفا کا امتحاں پھر بھی ہو کیوں اے دلرُبا ہم سے
ترے تیروں پہ ہم ہی مُسکرا کر جینے والے ہیں

تمہیں تو خُوب آتا ہے تمنّاؤں کا خُوں کرنا
ہم ایسے سخت جاں بھی ساری دنیا سے نرالے ہیں

یہ حُسن و عشق کا قصّہ بھی ہے نظروں کا اک دھوکہ
بھلا کب باوفا اِس دھر میں یہ حُسن والے ہیں

یہ دل دے کرتو برسوں سے لیا ہے درد دِل میں نے
مرے ہمدم محبت کے یہ قصّے بھی نرالے ہیں

نہ کیوں سینہ سپر میں ہوں نہ کیوں دل پیشکش کردوں
کہ جب تیرِ نظر کے مورچے تم نے سنبھالے ہیں

جہاں والے بھی کرتے ہیں شکایت درد اور غم کی
ہمارے غم مگر سارے زمانے سے نرالے ہیں

ہے اب قحطُ الرّجال اِس دھر میں اے دل سنبھل کر رہ
یہاں ظاہر میں تن اُجلے ہیں دل اندر سے کالے ہیں

وہی انسانیت کُش دھر میں عملاً ہوئے ثابت
سٹیجوں پر ترقّی کے سُناتے جو مقالے ہیں

ہماری زندگی مبنی ہے خوابوں اور خیالوں پر
کئے اپنے یہ ارماں ہم نے خوابوں کے حوالے ہیں

بشیؔر اِس دھر کو نفرت کی ظلمت راس آئی ہے
اسے اب ناپسند اخلاص وشفقت کے اُجالے ہیں

☆☆☆

(۶)

اب دل میں کوئی جذبہ بیدار نہیں ہوتا
چاہت کا بھی اِس دل سے اظہار نہیں ہوتا

انمول محبت ہے نایاب زمانے میں
اِس چیز کا دنیا میں بیوپار نہیں ہوتا

مطلب کی یہ دُنیا ہے اِس میں تو کبھی کوئی
اِن درد کے ماروں کا غم خوار نہیں ہوتا

جب ساتھ نہ دُنیا میں ہو اپنے مُقدّر کا
کوشش سے کبھی بیڑا پھر پار نہیں ہوتا

پہلے تو مرے دل کو تکلیف سی ہوتی تھی
اب ٹوٹ بھی جائے تو آزار نہیں ہوتا

حال اُن کا بھی مجھ جیسا جب ہوگا تو پوچھوں گا
دل کھو کے یہ جینا کیا دشوار نہیں ہوتا

ہو جبکہ وفا ثابت محبُوب کی نظروں میں
پھر ظاہری دکھلا وا درکار نہیں ہوتا

ہے عطر وہی جس کی خوشبو ہی گواہی دے
مدّاح کہ جس کا خود عطّار نہیں ہوتا

یہ حرص ہی دنیا کی اُلجھاتی ہے فتنوں میں
بچتا ہے جسے دل میں یہ خار نہیں ہوتا

کیوں ہاتھ نہیں کٹتے ہیں آج بھی چوروں کے
دنیا میں یہ زانی کیوں سنگسار نہیں ہوتا

صاف اور مُطہّر ہی آئینہ رہے دل کا
یہ کوئی غلاظت کا انبار نہیں ہوتا

جو عشقِ حقیقی میں مجذُوب ہوں پھر اُن کا
ہوتا نہ ٹھکانہ ہے گھر بار نہیں ہوتا

چُھپ چُھپ کے محبت جو ہیں لوگ یہاں کرتے
عشق اُن کا ہے غیروں سے اقرار نہیں ہوتا

وہ لوگ کہ بدچلنی اپنی جو چھُپاتے ہیں
کرتے ہیں سیہ کاری اظہار نہیں ہوتا

جب کھوٹ ہو نیّت میں اور دل میں کدُورت ہو
بیڑا تو کسی کا بھی یُوں پار نہیں ہوتا

دُلہن کی وہ شادی کیا جو ظُلم پہ مبنی ہو
سِنگار بھی اس کا پھر سنگار نہیں ہوتا

پھر کیسے وقار اُس کا لوگوں میں رہے باقی
جو شخص کہ دنیا میں خود دار نہیں ہوتا

کیوں درد اُٹھا دل میں اور اِس کی دوا کیا ہے
آ گہ اِس حکمت سے بیمار نہیں ہوتا

زردی اور داغِ جگر ہے چاند کا حال یہی
کچھ اِس میں بیاں کرنا درکار نہیں ہوتا

دل ہے وہ جگہ جس میں رہتی یہ محبت ہے
مرکز یہ تقدّس کا بازار نہیں ہوتا

ہم جانتے ہیں اُن کے دل میں تو محبت ہے
رکھنے کو بھرم اِس کا اظہار نہیں ہوتا

نظریں ہوں جھُکی لب پر ہلکا سا تبسّم ہو
اب تم ہی بتاؤ کیا یہ پیار نہیں ہوتا

ہاں دل کی امیری ہی تو اصل امیری ہے
جو دل کا غنی ہو وہ نادار نہیں ہوتا

اِس دنیا میں دولت کی تقسیم برابر ہو
راضی تو کبھی اِس پہ زردار نہیں ہوتا

اپنی ہی ذات کو دے ترجیح جو اوروں پر
مقبول کبھی ایسا کردار نہیں ہوتا

جب ظلم کے تیروں سے مظلُوم کا دل ٹوٹے
پھر آہ و فُغاں کرنا بیکار نہیں ہوتا

اپنا جو بھلا چاہے اوروں کا بُرا چاہے
دنیا میں وہ جینے کا حقدار نہیں ہوتا

خوددار ہے پڑ جاتا مشکل میں کبھی لیکن
لاچار بھی ہوکر وہ لاچار نہیں ہوتا

دنیا میں وہ مغلوب اور بکھرا ہوا رہتا ہے
کوئی جس قافلے کا سالار نہیں ہوتا

مذہب کو جو مانے مگر مذہب کی نہیں مانے
مُجرم کو بھی یوں حق سے انکار نہیں ہوتا

فلمیں مصنُوعی ادا اور جُھوٹی کہانی ہیں
ہر جھوٹ سے کیا شیطاں سرشار نہیں ہوتا

دنیاوی فوائد کے بدلے میں بِکا ایماں
کردار یہ مُسلم کا زِنہار نہیں ہوتا

جو امن کے نام ہی پر ملکوں پہ کرے قبضہ
ڈاکو بھی کوئی اتنا بدکار نہیں ہوتا

دنیا ہے دُکھوں کا گھر آرام کہاں اِس میں
کانٹوں سے بھرا مسکن گُلزار نہیں ہوتا

ٹھکرائے جسے دنیا مشکل ہے وہ پھر سنبھلے
مَسلے کوئی جس گُل کو گُلنار نہیں ہوتا

اب کیسے بشیؔر اُن کو محبوب کوئی سمجھے
جو درد سے خالی ہو دلدار نہیں ہوتا

☆☆☆

(۷)

چھیڑا جو ہم نے تم سے محبت کا ترانہ
ارماں بھرے دل کا ہے یہ دلدوز فسانہ
گزری ہمارے دل پہ کیا فُرقت میں تمہاری
بھُولے سے بھی یہ راز کبھی تم نے نہ جانا
ہم خوب جانتے ہیں کیا ہے طور ہمارا
ہوجائے اگر اِس پہ ہو دُشمن بھی زمانہ
تقدیر سے ہوتا ہے جو ہوتا ہے جہاں میں
حالات و واقعات ہیں بس ایک بہانہ
ویراں جو زندگی ہے پریشاں ہے جہاں میں
رستہ نہ کوئی اس کے لئے ہے نہ ٹھکانہ
دریا جو زندگی کا رَواں بھی ہے دَواں بھی
مَنبع ہے ازَل اِس کا اَبد اِس کا دہانہ
اَجرامِ فلک اپنے مداروں پہ دواں ہیں
روزانہ ہے کچھ حال تو کچھ اور شبانہ
بازی گری ہے کارِ جہاں جیسے کہ شطرنج
جیتا اگر یہ خانہ تو ہارا ہے وہ خانہ
چلتے جو تیر وقت کے ہاتھوں ہیں اے بشیرؔ
بنتا دلِ انسان ہی اِن کا ہے نشانہ

(۸)

اگر عُمر بھر غم کا بحران ہو — نہ کیوں خواہشِ موت ہر آن ہو
یہ دنیا ہی جب غم کا سامان ہو — تو جینے کا پھر کیسے اِمکان ہو
یہ اُن کا بڑا مجھ پہ احسان ہو — اگر لب پہ ہلکی سی مُسکان ہو
اگر زندگی غم کا خلجان ہو — تو پھر موت سے مُشکل آسان ہو
یہ امریکہ، یورُپ کی سفّاکیاں — نہ کیوں ختم اب نسلِ انسان ہو
ہیں قاتل یہ ٹونی بلیر جارج بُش — یہ چنگیز وہ جیسے شیطان ہو
یہی تیر برسیں جو اک قوم پر — نہ کیوں پھر خدائی پریشان ہو
تنازعہ ہر اک پھر نہ کیوں ہوگا حل — اگر عدل کا سب میں رُجحان ہو
نظر آتا ویراں ہے سارا جہاں — کہ جب اپنی دنیا ہی ویران ہو
وہ کیا زندگی میں رہے کامراں — کہ جو اِس کے رازوں سے انجان ہو
ہے قانونِ قدرت کا سب پر نفاذ — ہو عام آدمی یا کہ سُلطان ہو
کوئی قوم ہوتی نہیں کامیاب — جو نا اتّفاقی کا بحران ہو
وہ دنیا کو سمجھے گا کیوں دائمی — یہاں چار دن کا جو مہمان ہو
حکمراں سے بھی ہوگا راضی خُدا — بشر طیکہ عادل حکمران ہو
نہ چھوٹے وہ دامن کبھی ہاتھ سے — مرے درد کا جو کہ درمان ہو
ہے طالب پہ کُھلتا درِ معرفت — اگر پیر و مُرشد کا فیضان ہو
نہ کیوں بُلبُلِ دل ہو اِس میں اسیر — جو بردوش گیسو پریشان ہو
خدا کو ہے بس اہلِ دل کی تلاش — نہ جو مُردہ دل اور بے جان ہو

نہ سرزد کبھی ہوگا کوئی گناہ | اگر دل میں نیکی کا میلان ہو
خدا تک پہنچتا ہے بندہ ضرور | نہ حائل جو نفس اِن کے درمیان ہو
ہیں سب دولتِ دل کے آگے یہ ہیچ | ہو وہ لعل و جوہر کہ مِرجان ہو
کریگا محبت کا حق وہ ادا | جو راہِ محبت میں قُربان ہو
وفا جس محبت میں دائم رہے | نہ کیوں اِس پہ قُرباں دل و جان ہو
پھر انسان و حیواں میں کیا فرق ہے | جب انساں کو اپنی نہ پہچان ہو
جو سرزد خطا ہو تو نیکی کرو | تلافی ہے لازم جو نقصان ہو
جو نفس اور شیطاں کے شر سے بچا | نہ کیوں باوقار اور ذیشان ہو
ہے انجام سب کا ہی آخر فنا | بڑی ہی نہ کیوں آن اور بان ہو
نہ ہوتی ہے پھر کامرانی کبھی | اگر جذبۂ دل کا فقدان ہو
مدار اِس کی محنت پہ ہے مُلک کا | تو مفلُوک پھر کیوں یہ دِہقان ہو
زمانے کا ہوتا ہے اُس پر عتاب | اگر کوئی حق گو سخندان ہو
ہیں نا اتفاقی سے قومیں تباہ | یہ اک مرض جیسے کہ سرطان ہو
ہے دنیا میں وہ اک بڑا آدمی | جو اپنی خطا پر پشیمان ہو
مٹا کر ہی رکھتا ہے سب کو یہ وقت | سکندر ہو قیصر ہو خاقان ہو
جو ضایع کرے قیمتی وقت کو | تو اِس سے بڑا کون نادان ہو
بنے زینتِ بزم پھر شمع بھی | جو موجود کوئی شمعدان ہو
نہ باقی ہو انسانیت ہی جہاں | وہ بستی ہی جیسے کہ سنسان ہو
میں ہر آزمائش کروں گا قبول | اگر اس سے مضبوط ایمان ہو
وہاں جان اپنی کروں میں نثار | کہ حاصل جہاں مجھ کو عرفان ہو
نہ رُکتا ہے عزمِ مصمّم کبھی | اگر رہ میں حائل بھی طوفان ہو
رَہے کیوں نہ عزّت سے وہ سربلند | کہ جو عدل و حق کا نگہبان ہو

غموں میں بھی ملتا ہے دل کو سکوں
جو یادِ خدا غم کے دوران ہو

نُمودار ہوتی ہے آخر سحر
جو کتنا بھیانک شبستان ہو

جو ایماں کو بیچا تو دُنیا ملی
تو کیا اِس سے بڑھ کر بھی تاوان ہو

اُس انساں سے کیا خیر کی ہو اُمید
کہ جس میں خطا اور نسیان ہو

کبھی قبضہ کابُل و بغداد پر
نشانہ کبھی شام و ایران ہو

پھر انسان کرتا ہی ہے سرکشی
اگر رحمتِ حق کا باران ہو

نتیجہ یہ امریکی حملے کا ہے
کہ باغی عراقی و افغان ہو

پھر انسانی قدروں کو اپنائیں سب
چڑھانا اگر اِن کو پروان ہو

ہیں اسرارِ حق ایسے سربستہ راز
کہ حیراں ہر اک فلسفہ دان ہو

بھلا کیسے ممکن بھی ہو پھر نجات
جو اعمالِ بد کا ہی بحران ہو

نصیحت کرے کوئی گمراہ کو
یہ اُس کے لئے جیسے ہذیان ہو

حقیقت کی انساں کو ہے یوں تلاش
یہی جیسے دل کا خیابان ہو

یہ دنیا ہی پھر لگتی ہے پُر بہار
جو خوشیوں بھرا دل کا بُستان ہو

رُخِ دلرُبا دیکھ کر یوں لگا
یہ جیسے محبت کا عنوان ہو

مہد سے لحد تک ہے جب سیکھنا
یہ تا عُمر جیسے دبستان ہو

ہیں امریکہ کی زد میں اسلامی مُلک
فلسطین ہو ایراں ہو سوڈان ہو

ہے حکمت ہی فطرت کے ہر رنگ میں
بہار و خزاں ہو زمستان ہو

نہ جانے ہے دستُور کیوں عشق کا
کہ مجنوں رہینِ بیابان ہو

اسے ہفت اقلیم سمجھوں گا میں
اگر ہاتھ میں اُن کا دامان ہو

رہوں میں سدا اِس میں محوِ سفر
کہ جو علم و دانش کا میدان ہو

رہے حق پہ ثابت قدم تُو بشیرؔ
تو قُدرت کا یہ تجھ پہ احسان ہو

(۹)

صد چاک جو ہوا وہ ہمارا ہی جگر ہے
اے چرخِ ستمگر یہ ترا تیرِ نظر ہے

انگارے ہر قدم پہ حسیں پھول جب لگیں
پھر جان لو یہ راہِ محبت کا سفر ہے

اُن کا رُخِ تاباں ہے زمانے میں انتخاب
مانند اِس کے سامنے یہ نُورِ شمس و قمر ہے

دنیا میں کامرانی نہ ملتی ہے مفت میں
یہ محنتِ شاقہ کی سدا دست نگر ہے

خواب و خیال پر نہیں مبنی یہ زندگی
یہ تلخ حقائق کی ایک راہگذر ہے

میری وفا کا اِس سے بڑا کیا ثبوت ہو
جب دیکھتا ہے تُو مرا سر ہے ترا در ہے

لالہ میں اپنا داغِ دل آیا نظر مجھے
دیکھا تو چاند میں مرا ہی داغِ جگر ہے

دنیا کی مشکلات سے گھبراتا نہیں وہ
ابدی حیات جس کو یہاں مدِّ نظر ہے

مکر و فریب ہی جو اس دنیا کا ہے شُعار
اہلِ ضمیر کا مگر اندازِ دگر ہے

حرص و طمع سے پا نہیں سکتا کوئی مُراد
یہ وہ شجر ہے جو کبھی لاتا نہ ثمر ہے

انسانیت کی اہلِ قلم کرتے ہیں خدمت
اس کے لئے ہی وقف یہ سب نظم و نثر ہے

پیرو بھی ہم ہوں نفس کے ڈھونڈیں فلاح بھی
ناممکن و خلافِ عقل ایک امر ہے

دائم جو خواہشاتِ نفس کی ہو پیروی
پھر لازمی انجام وہی نارِ سقر ہے

دونوں جہاں میں سرخرو ہوتا ہے مُتّقی
اعمال جو اچھے ہوں تو کس بات کا ڈر ہے

انسانیت کا رشتہ ہے رشتوں میں اوّلیں
جب یہ نہ ہو تو کوئی پدر ہے نہ پسر ہے

کرتا خدا ہے مُنکشف اَسرار ولی پر
کیا ہوگا اب کے بعد ولی کو یہ خبر ہے

پردے پڑے ہوئے عوام کے دلوں پہ ہیں
کل کی ہو کیا خبر جو نظر ہے نہ بصر ہے

دھوکہ ہے سب کے واسطے دنیا کی محبت
دنیا ہے بے وفا غم و آلام کا گھر ہے

کوشش کا ساتھ دیتی ہے تقدیرِ الٰہی
ایماندار و نیک اگر کوئی بشر ہے

اعمال ہی آتے ہیں کام دونوں جہاں میں
ان کے مقابلے میں ہیچ مال ہے زر ہے

بالوں کو لگا کر خضاب لوگ ہیں کہتے
بُوڑھے تو ہم نہیں ہیں ابھی چھوٹی عُمر ہے

غزلوں میں بھی میں جھوٹ نہ لکھتا ہوں دوستو
لکھتا ہوں سچ ہی میں وہ شاعری بھی اگر ہے

اپنے سماج کے سبھی افراد کو بشیؔر
تیری طرف سے شفقت و اخلاص نذر ہے

☆☆☆

(۱۰)

دل پر نگاہِ ناز کا اک وار ہوگیا
یہ ایک تیر تھا جگر کے پار ہوگیا

یہ حُسن تو بڑا ہی فتنہ کار ہوگیا
دل جس میں اک نظر سے گرفتار ہوگیا

حُسنِ ادا یہ عارضِ گلگوں یہ سرو قد
یہ سب ملے تو حُسن کا شہکار ہوگیا

وہ شوخیاں وہ چشمِ غزالاں نگاہِ ناز
اِن کا دلِ دیوانہ پہ ہی وار ہوگیا

ہجر و وصال کیا ہے یہ ہم تب سمجھ سکے
جب اپنا جاں بلب دلِ بیمار ہوگیا

اس سے بڑا نہ کوئی دل جلا ہے دھر میں
جس کا کہ بے وفا کبھی دلدار ہوگیا

اُن کی وفا ہی تھی مرے ارمان کا محل — وہ بے وفا ہوئے تو سب مسمار ہوگیا
وہ سادہ لوح جو کہ بے خبر تھا عشق سے — بیچارہ دردِ دل میں گرفتار ہوگیا
جو عشق کا جواب نہ دیتا ہے عشق سے — بے شک وہ زندگی کا گنہگار ہوگیا
محتاج نہیں حُسن کبھی تیغ و سناں کا — خنجر بدست ابروئے خمار ہوگیا
بِکتا ہے آج حُسن زمانے میں جا بجا — ارزاں جہاں میں حُسن کا بازار ہوگیا
بزمِ جہاں تبھی ہے پُرکشش و دیدہ زیب — فطرت کا جبکہ حُسن ہی سالار ہوگیا
بے رُوح و مُردہ دل سے ہے بیزار حُسن بھی — آخر یہ عشق کا ہی طرفدار ہوگیا
دعوت تو اِس کی حسن نے خود دی ہے عشق کو — دونوں میں محبت کا پھر اقرار ہوگیا
قُدرت نے حُسن کو بنایا عشق کے لئے — پھر سب نے یہ دیکھا کہ اِن میں پیار ہوگیا
کی بے وفائی حُسن نے تو پھر دل حزیں! — یک لخت حُسن و عشق سے بیزار ہوگیا
رہتا یہ حُسنِ دلرُبا مغرور کب تلک — عاشق کے جنازے پہ شرمسار ہوگیا
محبوب میری جان کے درپے کبھی نہ تھا — میرا ہی عشق ہے جو بے مُہار ہوگیا
بیگانہ تھا میں عشق سے تو نیک نام تھا — اِس عشق سے تو اب میں سیہ کار ہوگیا
محروم ہی میں زندگی کے لُطف سے رہا — پایا یہ لُطف عشق جب بیدار ہوگیا
کی ہم نے محبت بھرے دل کی جو پیشکش — اُن کی طرف سے صاف ہی انکار ہوگیا
وہ لوگ کس قدر ہیں خوش نصیب و شادکام — حاصل یہاں جنہیں وصالِ یار ہوگیا
مُشکل میں ہم پڑے جب اُن کی اک نگاہ پر — اِس دل کی زندگی کا اِنحصار ہوگیا
جزُ عشق کے تھی موت سے بدتر یہ زندگی — خُفتہ تھا دل کہ اس سے ہوشیار ہوگیا
یہ اُن کا حُسن ہے دلوں کی جس سے ہے بہار — اُن کا شباب نازشِ بہار ہوگیا
کتنا بڑا یہ ہم پہ ہے احسان عشق کا — مُردہ تھا دل کہ اِس سے جاندار ہوگیا

اپنی ستمگری پہ وہ پچھتاتے ہیں کہ اب
تکلیف دہ ہمارا حالِ زار ہوگیا

ہم ناز آج خود پہ کریں کیوں نہ دوستو
اپنا بھی عاشقوں میں اب شُمار ہوگیا

پھٹنے کو آیا ہے جگر اُن کے فراق میں
قاتل ہی جان کا یہ انتظار ہوگیا

برقی لہر کی مثل ہی ہوتا ہے عشق بھی
دل ایک ہی نظر میں بے قرار ہوگیا

اے حُسن تجھ کو دی گئی عظمت ہے کس قدر
ہے جو حسیں دلوں کا تاجدار ہوگیا

ہے چند بہاریں ہی دیکھتا مگر یہ حُسن
کب حُسن بھی جہاں میں پائدار ہوگیا

محبوب نے مجھے تو پھر بھی مُسترد کیا
جب میں خلوصِ دل سے جاں نثار ہوگیا

گھر میں کوئی عزیز کسی کا جو چل بسا
پھر سارا خاندان سوگوار ہوگیا

دونوں جہاں کی نامُرادیاں ملیں مجھے
اعمالِ بد سے قلب جب مزار ہوگیا

ساقی بتا وہ کون خوش نصیب رند ہے
جس کو پلائی تُو نے اور خُمار ہوگیا

اے حُسنِ خود فروش بتا دے مجھے ذرا
کیوں اتنا عام اب ترا دیدار ہوگیا

ہوسکتی ہے بیاں نہ دل کی کیفیت یہ جب
دیدارِ رُوئے یار سے سرشار ہوگیا

کیا کہنا حُسن والوں کا جن کا جہان میں
چوری دلوں کی کرنا کاروبار ہوگیا

دنیا میں ہم نہ جی ہی سکے اور نہ مر سکے
اپنا سدا یہی تو حالِ زار ہوگیا

وہ بات بھی کسی سے نہ کرتا ہے آجکل
ہم نے سُنا بشیؔر دلفگار ہوگیا

تنہائیوں میں کھو گیا جانے کہاں بشیؔر
دنیا کی بزم سے ہی وہ بیزار ہوگیا

(۱۱)

زندگی جب درد کا بحران ہو
موت کا خواہاں نہ کیوں انسان ہو

میری غزلیں دیکھ کر لگتا ہے یوں
جیسے درد و غم کا اک دیوان ہو

میری جانب تُو جو دیکھے ایک بار
مجھ پہ تیرا یہ بڑا احسان ہو

ہے دُعا میری یہی شام و سحر
حق پسندی ہی مرا ایمان ہو

کیوں خطا کوئی کرے بھی بار بار
کیوں بھلا وہ جان کر انجان ہو

ہے سیاہی دل کی بے شک پُر خطر
جیسے مُہلک مرض یہ سرطان ہو

فطرتِ انساں بھی کیا تخلیق ہے
جس میں شامل ہو خطا نِسیان ہو

زندگی پر کیا بھروسہ وہ کرے
چار دن کا جو یہاں مہمان ہو

کیا کوئی بے درد جانے درد کو
اُس کی خاطر جیسے اک ہذیان ہو

وہ جو خودداری سے دنیا میں جئے
جس طرح بے تاج اک سُلطان ہو

دیتی اُس کا ساتھ ہے تقدیرِ حق
جس میں نیکی کا کوئی رُجحان ہو

ایسی دُنیا سے محبت کیا کریں
جو فریب و مکر کا سامان ہو

کیا کریں ایسی جگہ اظہارِ درد
درد مندوں کا جہاں فُقدان ہو

شعر ہوتے پھر ہیں موزُوں خود بخود
درد و غم کا گر کوئی عنوان ہو

حسد و کینہ احمقوں کا کام ہے
جس سے لگتا داوٗ پر ایمان ہو

دل میں رکھتا ہے وہی بُغض و حسد — جس کے باطن میں چھُپا شیطان ہو
صاف جس کا دل ہو مثلِ آئنہ — کیوں نہ راضی اِس سے پھر رحمٰن ہو
پائے دنیا جو گنوا کر آخرت — کون پھر اس سے بڑا نادان ہو
ہے وہ احمق جس کے دل میں ہو حسد — اس سے جل کر راکھ جب ایمان ہو
کیا کریں اُن سے توقع خیر کی — جن کی رگ رگ میں بسا شیطان ہو
ظُلم و حق تلفی سدا ملعُون ہے — وہ سیاست کا بھی گر میدان ہو
چوٹ لگ جائے دلِ حسّاس پر — شعر گوئی کیوں نہ پھر آسان ہو
ہوتی بے قیمت ہے ہر شے ٹوٹ کر — دل ہے وہ جو ٹوٹ کر ذیشان ہو
عزمِ راسخ ہارتا ہمّت نہیں — موت بھی حائل اگر درمیان ہو
ہے ضَمیر و عقل سے انسانیت — ورنہ ہر اک آدمی حیوان ہو
عزم سے جہدِ مُسلسل ہو اگر — کیوں نہ پورا دل کا پھر ارمان ہو
اُس کی فطرت میں فرشتوں کی ہے خُو — جس میں حق اور عدل کا میلان ہو
دو دلوں کا ہی نہ جس میں ہو مِلن — ایسا رشتہ کیوں نہ پھر بے جان ہو
مثلِ سگ اِن کے ہے در پے جارج بُش — ہو عراق و کابُل و ایران ہو
آخری انجام سب کا ہے فنا — ہو سکندر قیصر و خاقان ہو
دل سے کرتا ہوں میں اُس کا احترام — ہو بصیرت جس میں اور عرفان ہو

شاعری میں تیری حق گوئی بشیرؔ
شاید اس سے تازہ پھر ایمان ہو

(۱۲)

تری قسمت میں خوشی اے دلِ ناشاد نہیں
تری خاطر تو مُسرّت کی وہ رُوداد نہیں

اپنا غم دل میں چھُپانا تُو ذرا سیکھ لے اب
اب کوئی چارہ بجُز نالہَ و فریاد نہیں

موت سے قبل بھی اک موت مُقدّر رہے ترا
جان لے تُو کبھی اس شرط سے آزاد نہیں

اِن کو اشعار نہ سمجھو یہ کہانی ہے مری
کیا جُدا سارے جہاں سے مری رُوداد نہیں!

غور سے دیکھ کے دنیا کو یہ پایا میں نے
اس جہاں میں کہیں غم سے کوئی آزاد نہیں

ہر کوئی جال میں دُنیا کے گرفتار ہوا
جو کسی ایک کو چھوڑے یہ وہ صیّاد نہیں

دل پہ غفلت کا ہے پردہ اور مناتے ہیں خوشی
کون ہے وہ اسی پردے سے جو برباد نہیں

عدل اور حق تو ہیں دنیا سے ہوئے اب رُخصت
کیا زبردست ہی کمزور کا جلاّد نہیں

دل کو دہلاتی یہ دنیا ہے جگر چھیدتی ہے
کیا بنے اُس کا جسے پھر بھی خُدا یاد نہیں

دل تری یاد سے غافل ہو تو مرجاتا ہے
اس سے بڑھ کر تو جہاں میں کوئی بیداد نہیں

کھیلتی زندگی سے ہے یہ مٹا کر سب کو
پھر بھی کیا گردشِ دوراں ستم ایجاد نہیں

غم کے طوفاں میں تری یاد سہارا ہے مرا
حالِ دل کیا ہو جو غم میں بھی تری یاد نہیں

سنگ جو دل ہو وہ مُردہ بھی ہے ویران بھی ہے
دل کہ جو درد سے محروم ہو آباد نہیں

بے وفا آج کا یہ حُسن بھی ہے عشق بھی ہے
اب جہاں میں کوئی شیریں نہیں فرہاد نہیں

لاجواب اُن کا جمال اور قدِ بالا اُن کا
اُن کا ہمسر نہیں یہ سرو یہ شمشاد نہیں

جن کا دل کرتی ہے مجرُوح یہ ظالم دُنیا
سُننے والا بھی کوئی اُن کی یہ رُوداد نہیں

قوم تو ہوتی ہے کردار و عمل سے مضبوط
اِس کی طاقت کا سبب کثرتِ افراد نہیں

ہوتی رُسوائی و ذلّت ہے بُرے کاموں سے
ملتی تحسین نہیں دیتا کوئی داد نہیں

راہِ حق عارفِ کامل ہی دکھا سکتا ہے
کیسے سیکھے گا وہ جس کا کوئی اُستاد نہیں

عملِ صالح کے لئے چاہئے ایمان و یقیں
ڈِگریاں اس میں نہیں لگتی ہیں اَسناد نہیں

اہلِ حق اہلِ جہاں سے نہیں لیتے ہیں مدد
اُن کے لائق تو بجُز حق کوئی بھی امداد نہیں

ہم فلاح چاہیں تو پھر ایسا ہو ایمان و عمل
جس میں کچھ مکر نہیں شر نہیں اِلحاد نہیں

جس سے برباد ہو ایمان عمل ہو ضایع
اس سے بڑھ کر تو مُصیبت نہیں اُفتاد نہیں

مُستقل جب نہ مزاج اور عمل میں ہو یہ نفس
کیا یہ پھر اصل میں حیوانوں کا ہمزاد نہیں

نفس و دُنیا کے شکار آدمی برباد ہیں سب
کیا یہ پہنچے ہوئے لوگوں کا ہی ارشاد نہیں

کون تقدیر کے ماروں کا سہارا ہے یہاں
ڈوبنے والوں کو کرتا بھی کوئی یاد نہیں

اپنی جاں توڑ کے بھی جب کوئی محروم رہے
کیا مُقدّر ہی کی پھر اس پہ یہ بیداد نہیں

ظُلم و حق تلفی کا اب دور ہے دنیا میں بشیرؔ
آج مظلوم کی سُنتا کوئی فریاد نہیں

(۱۳)

درد اور غم کے سوا کوئی ہمارا نہ ہوا
موت جو چاہی تو اِس کا بھی سہارا نہ ہوا

زندگی اِس کی تمنّائیں یہ دل کے اَرماں
یہ ہمارے لئے قسمت کو گوارا نہ ہوا

وہ جفاؤں کے ہوں پیکر کہ وفا ہوں یکسر
دامِ اُلفت سے رہا دل تو ہمارا نہ ہوا

اُن کے ساتھ اُن کی جفا بھی رہی محبوب ہمیں
ہم ستم سہہ تو گئے ہجر گوارا نہ ہوا

ایسے طوفان میں ڈوبی مرے دل کی کشتی
جس کے گرداب کا کوئی بھی کنارا نہ ہوا

اِس خدائی نے تو مانا ہی نہیں اِس کا وجود
غم سے آزاد یہ تقدیر کا مارا نہ ہوا

جس کی تخلیق ہی اچھی نہ ہوئی روزِ ازل
کیا خطا اُس کی جو خالق کا وہ پیارا نہ ہوا

درد و غم میں کوئی روتا ہے سکوں پاتا ہے
ہم اگر روئے تو روکر بھی گزارا نہ ہوا

چاند کے داغ سے گہرا ہے مرا داغِ جگر

زرد رُو میری طرح کوئی ستارہ نہ ہوا

ایک قطرہ جو ٹپک کر ہوا پیوندِ زمیں

کبھی بہتے ہوئے پانی کی وہ دھارا نہ ہوا

دل پہ کیا بیتی کہ جب چوٹ لگی ٹوٹ گیا

غم کی رُوداد ہے یہ کوئی نظارہ نہ ہوا

آپ کے دل میں تو ہم پا نہ سکے کوئی جگہ

پیار تو پیار تھا نفرت کا مدارا نہ ہوا

حُسن ہر جائی بھی ہے اور ستمگر بھی ہے

کبھی مایوس مگر عشق بچارا نہ ہوا

بد نصیبی نے جسے گھیر لیا ہو ہمدم

اُس کی جانب کبھی رحمت کا اشارہ نہ ہوا

اپنی غلطی ہے جو انسان کو کرتی ہے تباہ

اس تباہی کا ابھی تک کوئی چارہ نہ ہوا

دل وہ شیشہ ہے کہ اک بار اگر ٹوٹ گیا

جوڑ لینا اسے ممکن ہی دُوبارہ نہ ہوا

غم نصیبوں کا غم و درد کے طوفاں میں بشیرؔ

کوئی مُشفِق نہ بنا کوئی سہارا نہ ہوا

☆☆☆

(۱۴)

وہ چرخِ ستمگر بھی بیقرار ہوگیا — جب دل جلوں کا درد آشکار ہوگیا

ظالم فلک بھی اس پہ شرمسار ہوگیا — دل جب کہ تمنّاؤں کا مزار ہوگیا

اُس کا مواخذے سے حالِ زار ہوگیا — بد دیانتی میں جو کہ فتنہ کار ہوگیا

فطرت کے راز کُھل نہ رہے تھے کسی طرح — یہ عشق ہے جو واقفِ اسرار ہوگیا

وہ جو تھا بے وفائی میں مشہورِ زمانہ — ہم نے سُنا کہ اب وہ وفادار ہوگیا

وہ چوٹ کھائی دل نے سراسر یہ رو پڑا — بے ساختہ یہ درد کا اظہار ہوگیا

دہلیزِ حق پہ جس نے زمانے کو جھُکایا — معتوب کیوں جہاں میں وہ کردار ہوگیا

رزقِ حلال میں ہے مُبارک یہ مُفلسی — گر اَے حرام خور تُو زردار ہوگیا

ہم دل کے صاف تھے مگر دنیا تھی کینہ وَر — جینا ہی اس طرح ہمیں دشوار ہوگیا

شفقت کے بدلے ہم پہ چلے جب حسد کے تیر — دل جانتا ہے کس قدر آزار ہوگیا

ہم نے کیا جو پیش تھا ایمان اور حق — اس کا بھی بھلا کون خریدار ہوگیا

شیطان ڈالتا دلوں میں ہے یہ وسوسہ — رشوت نہ کھائی جس نے وہ نادار ہوگیا

مسلک بنایا جس نے عدل وحق کو دھر میں — دونوں جہاں میں صاحبِ انوار ہوگیا

اِس دھر میں تو بس ہے بڑا آدمی وہی — جو مُتّقی و صاحبِ کردار ہوگیا

تیرا وہ مرتبہ ہے کہ دہلیز پر تری — جس نے گدائی کی وہ باوقار ہوگیا

صد چاک دل تو تھا ہی اِس جُنونِ عشق میں
دامن بھی اپنا آج تار تار ہوگیا

حاصل کیا جو عُمر بھر ہے بس وہ معصیت
یہ رختِ سفر ہے جو گراں بار ہوگیا

باتیں تو حُسن و عشق کی کرتا ہوں میں مگر
دنیا سے میرا دل ہے جو بیزار ہوگیا

پہلو میں میرے دل ہے یہ احسانِ خدا ہے
ممکن جبھی یہ درد کا اظہار ہوگیا

بزمِ جہاں کا اصل میں ہیرو ہے بس وہی
جو اپنے اسپِ نفس پر سوار ہوگیا

دروازہ تبھی ہوتا ہدایت کا بند ہے
جب ارتکابِ جُرم بار بار ہوگیا

مایوس رحمتِ خُدا سے وہ بھی کیوں ہوا
جو انتہا سے زیادہ سیہ کار ہوگیا

فتنوں کا دن تو اصل میں روزِ ازل ہی تھا
یہ جنّتی ہوا تو وہ فِی النّار ہوگیا

کی وقف جس نے راہِ حق میں اپنی زندگی
وہ چشمِ حق میں برتر و مُختار ہوگیا

رَسّی جو حق کی دل سے تھام لے تو اِس کے گرد
ہر سمت تحفُظ کا اک حِصار ہوگیا

جس کے نہ قول و فعل میں کوئی تضاد ہو
بے شک اُسی پہ سب کا اعتبار ہوگیا

دنیا نے کی معاف نہ اُس کی کبھی خطا
دامن کبھی کہ جس کا داغدار ہوگیا

حافظ خدا ہی اُس بچارے کا ہے دوستو
وہ جو کسی کے بُغض کا شکار ہوگیا

دنیا میں ہم نہیں رہے فخر و غرور سے
اپنا شُعار ہی تو اِنکسار ہوگیا

ہمّت بھی لازمی ہے عقل و علم ہو اگر
منزل سے جبھی کوئی ہمکنار ہوگیا

جس نے کہ زندگی میں حق کی پیروی نہ کی
انجامِ کار خاکِ رہگُذار ہوگیا

تجھ کو خباثتوں سے اختلاف ہے بشیؔر
ماحول کب بھلا یہ سازگار ہوگیا

(۱۵)

حُسنِ گُل پر جو گُلستاں میں بہار آئی ہے
رُوئے گُلفام ترا دیکھ کے شرمائی ہے

جو لہر قُلزُمِ ہستی سے اُمڈ آئی ہے
جوشِ تسخیر میں ساحل سے بھی ٹکرائی ہے

بحرِ ہستی کا جو ساحل سے تماشائی ہے
کیسے کہدوں اُسے اندازہَ گہرائی ہے

حالتِ کیف فضاؤں پہ جو اَب چھائی ہے
جانتا ہوں یہ ترے حُسن کی انگڑائی ہے

یہ عنایت نگہِ ناز نے فرمائی ہے
آتش عشق مرے دل میں جو بھڑکائی ہے

دردِ دل کا جو مرا دل ہی تمنّائی ہے
ہے یہ اے شوخ نظر تیری جو رنگ لائی ہے

جو گلستاں کی فضاؤں پہ مہک چھائی ہے
یہ ترے حُسن کی نگہت نے ہی مہکائی ہے

جب بھی ظلمت نے فضا خوف کی پھیلائی ہے
مہرِ رخشاں نے کرن نور کی برسائی ہے

لگ نہ جائے یہ نظر اس لئے دیکھا نہ اُنہیں
اب مگر کس نے طبیعت مری بہکائی ہے

غمِ فُرقت کی بھلا تاب وتواں ہے کس میں
اے شبِ ہجر یہ کس جان پہ بن آئی ہے

اِس جہاں میں نہ مرے دل کو قرار آیا کہیں
اب درِ یار کی دہلیز ہی راس آئی ہے

خودبھی وہ خالق عالَم تو غضب کا ہے حسیں
اور پسند اُس کو بھی یہ حُسن ہے رعنائی ہے

دوش کیا دُوں میں اُنہیں اُن کا نہیں کوئی قصور
پیشکش اُن کی خود اِس دل ہی نے ٹھکرائی ہے

دلِ آوارہ بھلا کیا تُو نبھا پائے گا؟
کس لئے دردِ محبت کا تمنّائی ہے

خُوگرِ غم ہوں شکایت بھی کروں کیا غم کی
جب غموں نے ہی طبیعت مری بہلائی ہے

اپنی ہستی تو مٹانی ہی پڑی ہے اُس کو
راہِ تسلیم و رضا جس نے بھی اپنائی ہے

ہے غریبوں کا ہی طبقہ جو ہے اس کا بھی شکار
دھر میں اب جو یہ طُوفان کی مہنگائی ہے

ہے دل آزاری ہی دستُور جہاں والوں کا
دلِ حسّاس نے یہ چوٹ بہت کھائی ہے

دارِ فانی یہ جہاں اس کے یہ احوال عجب
ہے کہیں ماتم و گریہ کہیں شہنائی ہے

ہار دُنیا میں کسی کی ہے کسی کی ہے جیت
ہے کہیں فتح و ظفر اور کہیں پسپائی ہے

اہلِ حق کے لئے عزّت اہلِ ایماں کو وقار
بے ایمانی کے لئے ذلّت و رُسوائی ہے

چند لمحے ہیں جو خوشیوں کے ملے ہیں ہم کو
ورنہ آنکھ اپنی سدا درد سے بھر آئی ہے

حُسن کرتا ہے سدا مُردہ دلوں کو زندہ
محفلِ عشق اسی حُسن نے گرمائی ہے

بیوفا خود بھی جو ہوتا ہے جہاں میں اے دوست
کیسے کہتا ہے کسی کو کہ تُو ہرجائی ہے

بن کے ہمدرد جو پاتا ہے کسی پر قابُو
یہ محبت نہیں اے دوست یہ آقائی ہے

جو دل آزاری سے کرتا ہے کسی کو مغلُوب
شکل انساں میں درندہ ہے وہ بلوائی ہے

جیسے تُو حالِ جہاں دیکھتا آیا ہے بشیؔر
لگ رہا ہے تُو بھی بے بس سا تماشائی ہے

☆☆☆

(۱۶)

محبت کوچۂ دلبر میں اپنا دل لُٹاتی ہے
پئے محبُوب اپنی جان پر بھی کھیل جاتی ہے
محبت دلبروں کے ناز تو دل سے اُٹھاتی ہے
یہی ہے جو دلِ دلدار میں طوفاں مچاتی ہے
محبت عاشقوں کے دل میں اپنا گھر بناتی ہے
رہِ محبوب میں یہ اپنی ہستی ہی مٹاتی ہے
محبت دلبروں کی راہ میں آنکھیں بچھاتی ہے
کسی محبوب کے سینے سے اس کا دل چُراتی ہے
محبت ہے دلوں کی دوریوں کو جو مٹاتی ہے
محبت ہے کہ جو بچھڑے ہوؤں کو پھر ملاتی ہے
ہوسکاری کسی کو راہ میں ہی چھوڑ جاتی ہے
محبت ہے مگر جو ساتھ آخر تک نبھاتی ہے
بُرائی بد سرشتی گر کوئی فتنہ اُٹھاتی ہے
محبت ہے کہ پھر صلح و صفائی جو کراتی ہے
اگرچہ دُشمنی انساں کو انساں سے لڑاتی ہے
محبت ہے جو باہم نیک کرداری بڑھاتی ہے

اگر بد طینتی دنیا میں فتنوں کو جگاتی ہے
محبت ہے جو پھر اِن سارے فتنوں کو دباتی ہے

ہوسکاری و خودغرضی جہاں احساں جتاتی ہے
وہاں احسان اپنا تو محبت ہی چھپاتی ہے

اگرچہ دُشمنی طوفاں تباہی کا مچاتی ہے
محبت ہے جو اُجڑی بستیوں کو پھر بساتی ہے

جہاں جلتی حسد اور بُغض و کینہ سے ہے یہ دُنیا
محبت ہی وہاں دنیا کی محفل کو سجاتی ہے

ہوسکاروں و خودغرضوں و شیطانوں کی دنیا پر
محبت اپنی سچّائی سے دھاک اپنی بٹھاتی ہے

حماقت ہے سہارا لیں جو فانی عارضی شے کا
اسی فہرست میں دنیائے دُوں کی بے ثباتی ہے

محبت کو نہیں ہے مصلحت اور وقت کی پروا
یہی ہے راہِ حق میں جو کہ سر اپنا کٹاتی ہے

محبت حق کی جانب ہو اگر مائل تو کیا کہنا
بھلائی دین و دنیا کی وہ اِس رہ میں کماتی ہے

محبت کے لئے وہ فیصلہ کُن وقت ہے جس دَم
درِ محبُوب پر جاکر یہ قسمت آزماتی ہے

محبت سنگ اور ناصاف دل میں رہ نہیں سکتی
جو دل صاف اور ملائم ہو اُسی دل میں سماتی ہے

جہنم زندگی بنتی ہے نفرت اور عداوت سے
محبت ہی فقط اِس زندگی کو راس آتی ہے
بھٹک جاتے ہیں اکثر زندگی کے پیچ وخم میں ہم
محبت ہے جو ہم کو پھر کوئی رستہ دکھاتی ہے
محبت کی ہے فطرت جاں نثاری اور قُربانی
بنا کر شمع کا پروانہ خود کو یہ جلاتی ہے
ہوسکاری تکبّر چوٹ پہنچاتے ہیں اوروں کو
محبت ہے مگر جو چوٹ کھا کر مُسکراتی ہے
محبت سے ذرا پُوچھو کہ بن کر ایک دیوانہ
کسی کے ہجر میں کیونکر یہ اپنا دل جلاتی ہے
ہے خوش قسمت محبت اور وفا دونوں ملیں جس کو
ملیں دو دل جو ایسے قسمت اُن کی جگمگاتی ہے
اگر دیکھیں تو وہ بھی صاحبِ قسمت ہے دنیا میں
کہ جس کی یاد آ آ کر کسی دل کو ستاتی ہے
غمِ فُرقت میں کرتی ہے محبت نالۂ و زاری
یہی سارے جہاں کو درد کا دُکھڑا سُناتی ہے
محبت بنتی ہے انسانیت کی تب مُحافظ بھی
کہ جب حرص و ہوس انسانیت کو پیچ کھاتی ہے
فرق انسان و حیواں میں اگر ہے تو ہے شفقت سے
یہ شفقت ہے کہ جو انسان کو انساں بناتی ہے

نہ کوئی نسل ہوتی اور نہ ہوتی پرورش اِس کی
محبت ہی وجودِ زندگی ممکن بناتی ہے

ہم اظہارِ محبت اُن سے کر ہی ڈالتے لیکن
نہ کُچھ ہم بول پاتے ہیں زباں ہی لڑکھڑاتی ہے

محبت کرتی ہے محبوب پر جاں بھی نثار اپنی
پھر اس کی بیوفائی پر یہی آنسو بہاتی ہے

محبت سے زیادہ قوّتِ برداشت ہے کس میں
جو اِس کی جان بھی جائے نہ شکوہ لب پہ لاتی ہے

نہ سمجھو سادہ و آساں محبت کی کہانی کو
یہ اپنے چاہنے والوں کو اکثر آزماتی ہے

تمہارا کیا قصور اے حُسن کے مُشتاق دیوانو
کشش ہی حُسن کی عاشق کو دیوانہ بناتی ہے

محبت بھی عجب اک چیز پیدا کی ہے قُدرت نے
کہ جب یہ رُوٹھتی ہے زندگی ہی رُوٹھ جاتی ہے

بچاتی ہے محبت رحمتِ حق بن کے بھی ہم کو
کہ جب طوفاں میں کشتی زندگی کی ڈگمگاتی ہے

ہوسکاری رذالت ہے بشیؔر اِس سے تُو بچ کر رہ
یہی انساں کو گمراہی و ذلّت میں گراتی ہے

☆☆☆

(۱۷)

اب تجھے غم سے بھی شکوہ دلِ ناشاد نہیں
حسرتیں ہیں تری خوشیوں کی یہ رُوداد نہیں

چند خوشیاں جو منائی تھیں کبھی ہم نے یہاں
آج اُن کی کوئی بھولی سی بھی وہ یاد نہیں

زندگی نے تو سِوا غم کے تجھے کچھ نہ دیا
کیسے اے دل یہ کہوں تُو ابھی برباد نہیں

کیا گذرتی رہی اِس دل پہ یہ دل ہی جانے
پھر بھی اے اہلِ جہاں تُم سے یہ فریاد نہیں

ہے دل آزاری و دل سوزی ہی فطرت جس کی
کیا وہ بد بخت بڑا قاتل و جلاّد نہیں

یہ تکبُر یہ حسد، مکر و ریا، بُغض و عناد
کیا یہ ملعون حضائل نہیں بیداد نہیں

دلِ ناکام بتا کیا ہے رکاوٹ کا سبب
خواہشِ نفس تری کیا ترا صیّاد نہیں

دلِ مجروح بتا کون ہے اصلی دشمن
نفسِ رہزن ہی بتا کیا ترا جلاّد نہیں

عظمتوں کے لئے کوشاں تو سبھی ہیں لیکن
اِس جہاں میں کوئی تقدیر سے آزاد نہیں

خامیاں اپنی نظر آتی ہیں جس انساں کو
پھر تو اوروں کا وہ بنتا کبھی نقّاد نہیں

لکھّا لٹریچر و تفسیر ہے جن علما نے
وہ بھی بالغ نہیں جب نفس سے آزاد نہیں

نفسِ سرکش تو گناہوں پہ تُلا ہے ہر دم
ہر گُنہ کیا اِسی شیطان کی ایجاد نہیں

خواہش نفس ہی تو سب سے بڑا ہے فتنہ
باعثِ شر یہ کبھی خیر کی بُنیاد نہیں

اپنا ہی مُرشدِ کامل جسے رہبر ہو بشیؔر
اُس کو غیروں سے کوئی حاجتِ امداد نہیں

قُدرتِ حق کی جو حکمت کا شناسا ہے بشیؔر
کرتا تقدیر کا وہ شکوہَ و فریاد نہیں

(۱۸)

خُلوصِ دل نہ ہوتو پیار کرنا اک مصیبت ہے
کہ جُھوٹے عشق کا اظہار کرنا اک مصیبت ہے

نہ ہو جب مُطمئن اپنا ضمیر اپنی ہی حالت سے
زمانے سے نگاہیں چار کرنا اک مصیبت ہے

زمانہ خود پسند و سنگدل ہے بے مُروّت ہے
اسی سے درد کا اظہار کرنا اک مُصیبت ہے

اُٹھا سکتا نہیں ہے ناز جو حُسن و نزاکت کے
تو اُس کا پھر کسی سے پیار کرنا اک مصیبت ہے

بس اپنی حد میں دیتی زیب ہر شے ہے زمانے میں
محبت بھی سرِ بازار کرنا اک مصیبت ہے

بہت مذموم ہے اہلِ سیاست کی یہ مکّاری
کسی لیڈر کو اب مختار کرنا اک مُصیبت ہے

جو حق گوئی میں کچھ خطرہ بھی ہو پھر بھی غنیمت ہے
حقیقت سے بھی تو انکار کرنا اک مصیبت ہے

دل آزاری کسی کی تُو نہ کر اپنے رویّہ سے
بلائے خفتہ کو بیدار کرنا اک مصیبت ہے

سلامت وہ رہا آئینِ فطرت پر ہے جو محکم
کہ فطرت کی حدوں کو پار کرنا اک مصیبت ہے
بشیؔر اِس زندگی میں تو کبھی غلطی بھی ہوتی ہے
مگر غلطی کی پھر تکرار کرنا اک مُصیبت ہے

☆☆☆

(۱۹)

کہاں اپنے مُقدّر میں محبت کا ترانہ ہے
غمِ فُرقت تو میرا عُمر بھر کا اک فسانہ ہے
جہاں میں خیر یا شر پیش آتا ہے جو انساں کو
یہ سب تقدیر ہے اِس کا ہی حُکمِ حاکمانہ ہے
محبت میں کبھی ہم نے بھی قسمت آزمائی تھی
یہ نکلا آگ کا دریا کہ جس میں ڈوب جانا ہے
کہاں روزِ ازل تقدیر مجھ پر نیک نیت تھی
عطا مجھ کو ہوئی جب نا مُرادی جاودانہ ہے
ازل کا فیصلہ مبنی اگر ہو شر پہ اے ہمدم
تو پھر انسان کا بے سُود قسمت آزمانا ہے
بھلا دل کی کلی اُس کی کِھلے گی کب مُسرّت سے
ازل سے جس کی قسمت میں فقط آنسو بہانا ہے

ہے خواہش نفس ہی کی آدمی کے واسطے آفت
بُرا انجام و بد بختی اسی کا شاخسانہ ہے
وہی ہوتا ہے جو تقدیر کو منظور ہوتا ہے
عمل اور ظاہری اسباب کا تو اک بہانہ ہے
بظاہر یہ جہاں آباد ہے اندر سے دل ویراں
پھر ان ویراں بہاروں سے کسے اب دل لگانا ہے
غضب کی ہے یہ دُنیا دوست بن کر لوگ ڈستے ہیں
کہ بنتا آستیں کا سانپ اِن کا دوستانہ ہے
ابھی یہ کاروانِ زندگی قائم وباقی ہے
دلوں پر جو محبت کا ابھی تک شامیانہ ہے
نہیں اچھّا کسی بھی کام میں حد سے گُذر جانا
رویّہ بہتریں ہر کام میں بس درمیانہ ہے
بُرے کو مت کرو رُسوا بُرائی بڑھتی جائے گی
کہ سیدھی راہ پر بہتر کسی کا لوٹ آنا ہے
نہ مجھ سے ظلم سرزد ہو رہوں انصاف پر قائم
یہ میری التجا درگاہِ حق میں عاجزانہ ہے
کہا مجھ سے یہ اک عاشق نے میرا تجربہ ہے یہ
مزاج انسان کا بچپن سے ہوتا عاشقانہ ہے
یہاں تقدیر ہوتی قابلیّت پر بھی ہے غالب
کہ قابل ہو کے بھی محرُومیت کا ہی فسانہ ہے

جہاں میں حُسن کو سب دیکھ کر محسوس کرتے ہیں
مگر اِس کو بیاں کرتی نگاہِ شاعرانہ ہے

قدِ بالا جمال و ناز اِن کافر اداؤں کا
نہایت جان لیوا یہ ادائے دلبرانہ ہے

حساب اپنے عمل کا خود ہی جو کرتا رہے ہر دم
اُسی کی زندگی پھر اِس جہاں میں غازیانہ ہے

بُرائی مردُم آزاری حسد بُغض و فریب و ظلم
بتا اے دل عمل ایسا بھلا کب عاقلانہ ہے

تکبُّر بد سرشتی جھوٹ رشوت بے ایمانی مکر
عمل ایسا اگر ہے تو یہ بے شک فاسقانہ ہے

بُرے کاموں کا بے شک ہے نتیجہ بھی بُرا ہوتا
بُرا جو بھی کرے بنتا فضیحت کا نشانہ ہے

نہ ہوتی پار ہے ہرگز فریب و جھوٹ کی کشتی
ہے دنیا میں وہ رُسوا چال جس کی شاطرانہ ہے

ہے طاقت غائبانہ ایک جس سے خوف ہے لازم
کہ ایماں بھی ہمارا اِس جہاں میں غائبانہ ہے

ترے تیرِ جفا سے اے فلک میں کاش بچ سکتا
رہا زد میں جو بجلی کی وہ میرا آشیانہ ہے

نرالی شان ہے مستِ خدا کی دارِ فانی میں
کہ ظاہر میں نہ گھر اس کا نہ ہی کوئی ٹھکانہ ہے

سدا اپنی ہی کرنی کی ہے پڑتی مار انساں پر
کہ دنیا میں یہی تعزیرِ حق کا تازیانہ ہے

نہ ہو تقدیر کو منظور تو نا کام ہے انساں
اگرچہ اس کا ہر اقدام ہوتا ماہرانہ ہے

عجب سی اک کشش پُرسوز حق نے حُسن میں رکھّی
دلوں پر تو اثر اس کا ہمیشہ ساحرانہ ہے

بہت کڑوا ہے لگتا صبر دنیا میں تجھے اے دل
مگر دونوں جہاں میں شان اس کی فاتحانہ ہے

جو دیکھے خامیاں لوگوں کی اپنی بھول ہی جائے
بُرائی کی یہی جڑ ہے یہ خصلت جاہلانہ ہے

یہ دنیا اہلِ باطل کے لئے تو ایک جنت ہے
یہی دنیا مگر مُومن کی خاطر جیل خانہ ہے

کسی کے دل میں گراب بھی ہے شفقت تو غنیمت ہے
نہیں ہے دل یہ مُشفق کا یہ شفقت کا خزانہ ہے

بشیؔر اشعار تیرے تو سبق آموز ہیں لیکن
بھرا تلخی سے بھی تیرا کلامِ ناقدانہ ہے

☆☆☆

(۲۰)

بھٹکوں میں کیوں خلا میں وہاں جا کے کیا ملے
اپنے ہی دل میں ڈھونڈنے سے جب خُدا ملے

فانی ہیں سب جہان میں کیوں کر بقا ملے
دنیا میں کوئی چیز بھی نہ دیرپا ملے

آفت زدوں کو جس کسی کا آسرا ملے
اِن دل جلوں کی پھر نہ اُسے کیوں دُعا ملے

دنیائے دُوں ازل سے فطرتاً ہے بے وفا
احمق ہے جو یہ سمجھے کہ اس سے وفا ملے

حُسن و جمال ہی نہیں اس میں وفا بھی ہو
ایسا جہاں میں کاش کوئی دلرُبا ملے

گُذرے گی ایسے دل پہ کیا جو خود وفا کرے
لیکن وفاؤں کے عوض اُس کو جفا ملے

جب زندگی کی ڈوب رہی ناؤ ہو تو پھر
ممکن کہاں کہ وقت پر ہی نا خُدا ملے

دنیائے دُوں نے جن کا جگر چھید لیا ہے
اِن دل جلوں کو اب بھلا کیوں کر شفا ملے

انجام غلط کاریوں کا ہے یہ جہاں میں
حائل ہر ایک گام پہ اپنی خطا ملے

بیمار دردِ دل کا جو ہے اس جہان میں
کون اِس کا مُعالج ہے کہاں سے دوا ملے

ہم نے قدم بڑھائے ہمیشہ یہ سوچ کر
شاید کہ راستے میں کوئی ہمنوا ملے

اِس دَور سے اُمید یہ رکھنا فضول ہے
کوئی جہاں میں صاحبِ صدق و صفا ملے

دنیا ہے دل جلاتی یہ اُمید ہی کہاں
اس میں کسی کی دل نشیں کوئی ادا ملے

انساں کے دل پہ بیتتی اُس وقت کیا ہے جب
وہ زندگی ہو چاہتا لیکن قضا ملے

ڈرتے فنا سے کیوں ہو میرے دوستو اگر
ہو موت راہِ حق میں فنا میں بقا ملے

ہم میل جول کے لئے تیّار ہی نہ تھے
ایسے میں ہم کسی سے ملے بھی تو کیا ملے

ہم چل پڑے تھے گھر سے وفا کی تلاش میں
لیکن یہ بیوفا ہی ہمیں جا بجا ملے

ہم پھر رہے ہیں ڈھونڈتے دنیا میں آپ کو
لیکن کوئی پتہ تو کہیں آپ کا ملے

ہم نے بہت سے خُوبرو دیکھے جہان میں
دل چاہتا تھا کوئی مگر آپ سا ملے

صد حیف وہ چمن کہ جس پہ بجلیاں گریں
بھرتی جہاں کہ آہ یہ بادِ صبا ملے

سُلجھائے کوئی ایسی گُتھیوں کو کس طرح
جن کی نہ ابتدا ملے نہ انتہا ملے

میرا تو زندگی میں تلخ تجربہ ہے یہ
مرنے سے پہلے جو مرے اُس کو خُدا ملے

سمجھوں گا میں کہ ہے مرا بھی کوئی ہمنوا
جب میرے دل کے ساتھ کسی کی صدا ملے

انسانیت کے زخم کا مرہم بنیں گے ہم
شاید کہ دل جلوں کی ہمیں بھی دُعا ملے

دنیائے دوں کی یہ سرشت بھی عجیب ہے
ایثار ہم کریں تو عوض میں دغا ملے

دنیا بھری ہے مکر سے لیکن عجب نہیں
انسان اب بھی کوئی ہمیں بے رِیا ملے

میری نگاہ میں ہیں سب انسان برابر
چھوٹا ملے نہ کوئی نہ بڑا ملے

ہم پر بھی ڈالئے تو کبھی نظرِ التفات
شاید ہمارے زخمِ جگر کو شفا ملے

دارُالفنا میں پیار سب کو زندگی سے ہے
انجام ہے فنا یہی لیکن نِدا ملے

ٹوٹے ہوئے دلوں کی جو تم کو تلاش ہے
ہم سا کہیں نہ کوئی تمہیں دل جلا ملے

سارے جہاں میں ہم تو اِسے ڈھونڈتے پھرے
شاید کہ کہیں دردِ جگر کی دوا ملے

قسمت ہی جو بُری ہو تو سب کچھ فضول ہے
یکساں ہے پھر حیات ملے یا فنا ملے

جلتے ہو مجھ پہ کیوں جو دیکھو غور سے مجھے
مجھ پر یہ میری تار تار سی قبا ملے

رحمت سے ہوتا کیوں بھلا ہے کوئی نا اُمید
ممکن ہے کبھی چارہ ساز کی رضا ملے

حق کی رضا کے واسطے کوشش کریں جو ہم
ممکن ہے کہ دولت یہ کبھی بے بہا ملے

نیت اگر بُری ہو تو انجام ہے بُرا
پھل اس کا جب ملے تو ہمیشہ بُرا ملے

جو پُر خطا ہیں اُن کو لاؤ پھر عمل کی سمت
ممکن ہے اس سے حوصلہ اُن کو نیا ملے

انسان مختلف ہیں یہ کردار مختلف
جو خوشنما کہیں تو کہیں بد نُما ملے

جو دل شکستہ ہیں وہی مقبولِ حق بھی ہیں
بے حال ہیں پھٹی ہوئی جن کی رِدا ملے
مقبولِ حق ہیں وہ جو ہیں دنیا سے مختلف
ہم کو جہاں بھی وہ ملے سب سے جُدا ملے
دُنیا میں ہر انسان ہے اپنے ہی حال میں
اپنا ہی سُناتا ہوا وہ ماجرا ملے
انساں ہے کرتا اپنی خوبیوں کی نمائش
اپنا ہی دکھاتا ہوا جو دو سخا ملے
انسانیت کی کرتے جو خدمت خلوص سے
بیچارے وہ بھی دھر میں بے دست و پا ملے
افکار گر نجس ہیں تو کردار بھی نجس
دنیا میں ڈھونڈ کر بھی نہ اچھی فضا ملے
اِن فیشنوں میں خوب تریں جو مقام ہو
وہ بھی مگر نجاستوں سے ہی بھرا ملے
انساں پہ اگر رحمتوں کا ہی نزول ہو
پھر بھی شکایتیں ہی وہ کرتا ہوا ملے
ہم تشنہ لب ہیں دیر سے رندوں کی بزم میں
اک جام ہمیں بھی تو کبھی ساقیا ملے
بھر ہی نہ پایا آج تک ہے پیٹ حرص کا
انسان اسی میں تو بھٹکتا سدا ملے

بھونرے کا بھی ہے عشق پتنگے کا بھی ہے عشق
بُلبُل بھی تو اسی لئے نغمہ سرا ملے

تقریروں اور بیان بازیوں سے ہوگا کیا
بھوکے کو پیٹ بھر کے نہ جب تک غذا ملے

تم کو جو کسی ہجر کے مارے کی ہے تلاش
شاید تمہیں کہیں بشیرِ بے نوا ملے

☆☆☆

(۲۱)

جفاؤں کے انداز بدلے گئے
وفاؤں کے ہمراز بدلے گئے

وہی حُسن ہے اور وہی عشق بھی
بس انداز اور ناز بدلے گئے

اُڑانیں جو تھیں آج بھی ہیں وہی
فقط اِن کے شہباز بدلے گئے

رقیب اور بدخواہ تو ہیں وہی
رفیق اور دمساز بدلے گئے

وہی صحبتیں ہیں وہی مجلسیں
مگر آج ہمراز بدلے گئے

ہیں تقدیر کے بھی وہی فیصلے
مگر اِن کے اعجاز بدلے گئے

وہی باطل و حق کے ہیں معرکے
فقط آج جانباز بدلے گئے

ترقی کی ہیں یہ فضائیں وہی — بس اندازِ پرواز بدلے گئے
مسائل تو ویسے کے ویسے رہے — مگران کے اب راز بدلے گئے
جو ہیں فیصلہ کُن سبھی کے لئے — وہ انجام و آغاز بدلے گئے
وہ باقی رہے جو کہ دمساز تھے — مگر تھے جونا ساز بدلے گئے
جو مخلص تھے گُمنام آگے بڑھے — جو شاطر تھے ممتاز بدلے گئے
ملاوٹ تو اب ہے دواؤں میں بھی — طبیب و دوا ساز بدلے گئے
وہ گیت اور نغمے نہ باقی رہے — وہ ساز اور آواز بدلے گئے
جو دیتے رہے قوم ہی کو فریب — وہ شاطر سرفراز بدلے گئے
ہوا باطل وحق کا جب معرکہ — تو بلقان و کفقاز بدلے گئے
جو قاتل ہیں کہلائے مُنصِف وہی — جرائم کے انداز بدلے گئے
ہیں نغماتِ چنگیزیت آج بھی — مگر نغمہ پرداز بدلے گئے
وہی ہے یہ دنیا وہی شاطری — مگر حرص اور آز بدلے گئے

بظاہر یہ دنیا وہی ہے بشؔیر
ضمیروں کے انداز بدلے گئے

(۲۲)

مشیّت ہم کو اپنی یہ جھلک دکھلا ہی جاتی ہے
اگر بچنا بھی ہم چاہیں مصیبت آ ہی جاتی ہے

جو پیدا ہوا اُسے پھر موت تک ہے سیکھتے رہنا
سبق اپنا ہمیں قدرت یہاں سکھلا ہی جاتی ہے

بغاوت کو جنم دیتا سدا ہے ظُلم دنیا میں
مگر دنیا تو سکّہ ظلم کا بٹھلا ہی جاتی ہے

نہ ہو اب سائنس و ٹیکنالوجی جس قوم کو حاصل
یہ غفلت غیر قوموں سے اُسے پِٹوا ہی جاتی ہے

سیہ کاری بھی ہو جس قوم میں نا اتّفاقی بھی
یہ خصلت پھر ہلاکت تک اُسے پہنچا ہی جاتی ہے

حسد بُغض و عداوت کبر و بد خواہی جہنم ہے
مگر دنیائے دُوں اِس آگ کو بھڑکا ہی جاتی ہے

ہمیں معلوم ہے نیکی بدی اور خیر و شر کیا ہے
طبیعت پھر ہمیں شر کی طرف اُکسا ہی جاتی ہے

ہمارے وعظ خواں جب خود عمل اِس پر نہیں کرتے
تو ایسے واعظوں سے قوم پھر اُکتا ہی جاتی ہے

ہے لے جاتا بہا کر خواہشاتِ نفس کا طوفاں
یہ وہ شے ہے جو ہم سے غلطیاں کروا ہی جاتی ہے
جہاں میں نیک کرداری کبھی چھپ کر نہیں رہتی
یہ وہ خوشبو ہے جو ماحول کو مہکا ہی جاتی ہے
بُری صحبت ہے انساں کی تباہی کے لئے کافی
یہ وہ شامت ہے جو انسان کو بھٹکا ہی جاتی ہے
یہ دنیا ہے جو غافل کرتی ہم کو ہے حقیقت سے
نظر کتنی بھی عاقل ہو یہ دھوکہ کھا ہی جاتی ہے
نہ جانے اُن کی صورت میں ہے کیوں رعب و وقار اتنا
زباں ہو کر بھی ہم میں بے زبانی آ ہی جاتی ہے
فریب و ظلم و رشوت جھوٹ بد چلنی سیہ کاری
ہیں یہ بد بختیاں جن سے تباہی چھا ہی جاتی ہے
محبت سے ہی ذوق و شوق ہے رونق ہے دنیا کی
محبت زندگی کی بزم کو گرما ہی جاتی ہے
محبت سے رگوں میں گردش خوں دل کی دھڑکن ہے
لہر یہ زندگی کی خون میں دوڑا ہی جاتی ہے
نہیں برداشت مغروری کسی کی ہو سکی مجھ سے
کہ دل میں آتشِ نفرت کو یہ بھڑکا ہی جاتی ہے
کوئی گر قوم کا خود ساختہ واعظ ہو بن بیٹھا
پھر اُس کی بے ایمانی قوم کو چونکا ہی جاتی ہے

عجب عشق و محبت کی ہیں باتیں اے مرے ہمدم!
چھپائیں گر اِنہیں دل میں نظر بتلا ہی جاتی ہے

مری ملّت کو فتح و کامرانی ہو اگر حاصل
مرے دل میں خوشی کی یہ لہر دوڑا ہی جاتی ہے

اگر کھیلوں میں کرکٹ میں بھی جیتے ملّتِ بیضا
پٹاخے چھوڑ کر ملّت خوشی دکھلا ہی جاتی ہے

نہ ہو امریکہ جیسا اب اگر سامانِ جنگ اپنا
یہ کمزوری پھر اِس کے ہاتھ سے مروا ہی جاتی ہے

کرے انکار بھی ظالم یہ دنیا گر حقیقت سے
حقیقت ایک دن لوہا مگر منوا ہی جاتی ہے

عجب اک شان ہے آئینِ قُدرت کی کہ آخر میں
یہ حق اپنا ہر اک مظلوم کو دلوا ہی جاتی ہے

بشیؔر اِس دور نے گر عدل کو پامال کر ڈالا
مگر اِس کی سزا اب ظالموں تک آ ہی جاتی ہے

☆☆☆

(۲۳)

درد و غم سے دل کا حالِ زار ہے — جانے اب یہ جیت ہے یا ہار ہے
زندگی جب درد سے لاچار ہے — پھر تو جینے سے ہی یہ بیزار ہے
اے فنا کیوں درپئے آزار ہے — زندگی کو زندگی سے پیار ہے
ظالموں کا جو اعانت کار ہے — کیسے عدل و حق کا دعویدار ہے
رنج و غم کی اِس قدر بھرمار ہے — زندگی خوشیوں سے ہی بیزار ہے
دل جو دردِ عشق سے بیمار ہے — بس دوا اُس کی نگاہِ یار ہے
زندگی اُس کے لئے دشوار ہے — جو بچارا بے زرو نادار ہے
دل ہے بیچارہ مرا ٹوٹا ہوا — کیوں نگاہِ ناز کی یلغار ہے
درد میں کس کام کا یہ حُسن بھی — رنج و غم میں حُسن بھی بیکار ہے
ناوک اندازی تو قاتل کا ہے کام — کون کہتا ہے یہ حُسنِ یار ہے
عاشقوں کے دل کے درد و سوز کا — فیصلہ کرتا لبِ دلدار ہے
یار سے تو رابطہ کچھ بھی نہیں — پھر بھی لیکن انتظارِ یار ہے
سب کو ملتا ہے جہاں امن و سکوں — وہ محبت کا بڑا دربار ہے
زندگی اور دل کو جو غارت کرے — بُغض اور نفرت کی وہ یلغار ہے
زندگی رہتی غموں کی زد میں ہے — کب سدا خوشیوں سے یہ سرشار ہے
کیوں نہ قدرت ہے اسے کرتی قبول — زندگی جب اِس کی پیداوار ہے
دیکھ لے گر کوئی اسرارِ خدا — اصل میں یہ عشق کا شہکار ہے
ظلم پر خاموش رہنا بھی ہے ظُلم — اس شرافت سے مجھے انکار ہے

شاعری ہے زندگی کی ترجماں — شعر دل کے حال کا اظہار ہے
شاعری کرتے ہو شہرت کے لئے — غمزدوں کی جب یہ ہا ہا کار ہے
موج مستی شُغل مانا ہے ترا — اشکباری کیوں مگر دشوار ہے
شامِ غم نے گر کیا گھائل جگر — صبح خنداں نے کیا سرشار ہے
زندگی تو ہے سراسر امتحاں! — اس میں عملِ صالحہ درکار ہے
موت سے پہلے جو مرتا ہے یہاں — پھر وہ ہوتا واقفِ اسرار ہے
زندگی کی ناوَ ہے تو بہہ رہی — جانے یہ ساحل ہے یا منجدھار ہے
آہ بھرنے کی نہیں عادت مگر — یہ نہ ہو تو زندگی دشوار ہے
کوئی گر اپنا مُحاسب خود بنے — اس میں ہو مخلص تو بیڑا پار ہے
عدل و حق پر جو سدا قائم رہے — بے شُبہ وہ قابلِ دیدار ہے
ہے وہی گُمراہ جس کا مُدّعا — موج مستی دولت و دینار ہے
کس طرح اچھی لگے دُنیا ہمیں — جب ہمارے دل کا حالِ زار ہے
اے جہاں والو مناوَ تم خوشی — دل مرا گھائل جگر افگار ہے
کیوں نہ بھاگے دُور اِس دنیا سے وہ — جس کا دل مجروح اور بیزار ہے
جس کا دل ٹوٹا ہے لگتا ہے اُسے — جیسے یہ سارا جہاں بیمار ہے
اب بھلا کیوں کر سنبھل سکتے ہیں ہم — تیر جب اُن کا جگر کے پار ہے
اس سے بڑھ کر بدنصیبی کچھ نہیں — گر کسی کا بے وفا دلدار ہے
دھر میں انسانیت کا ایک قتل — امتیازِ بے زرو زر دار ہے
جس کے باطن میں بدی پلتی رہی — ہر گھڑی شیطان اُس کا یار ہے
کیوں ہلاکت نفس کی خواہش میں ہے — کیوں کہ یہ شیطان کی تلوار ہے
زندگی میں عدل و حق کی پیروی — کامرانی کا بڑا ہتھیار ہے

جس نے باطل کو بنایا راہبر
اُس پہ شیطاں کی سدا یلغار ہے

نفس و شیطاں کا ہی جو پیرو بنا
دو جہاں میں وہ ذلیل و خوار ہے

صبر ہے جدّ و جہد ہے شُکر ہے
زندگی میں تو یہی درکار ہے

دھر میں ایماں فروشوں پر سدا
خالق و مخلوق سب کی مار ہے

عدل و حق پر جو نہ دنیا میں رہے
پھر عمل اُس کے لئے بیکار ہے

سب سے اچھی چیز کیا ہے دھر میں
بے شُبہ وہ خوبئِ کردار ہے

حق نے ایماں سے نوازا ہے جسے
اصل میں وہ سرور و سالار ہے

جس نے ایماں ہی کمایا دھر میں
بے شُبہ پھر اُس کا بیڑا پار ہے

مردِ مومن بے ریا اور نیک خُو
ساری خلقت میں وہی سردار ہے

کوئی اُس کو مرحبا کہتا نہیں
جو کہ اِس دنیا میں بد اطوار ہے

حق نے بخشا عارفوں کو مرتبہ
دی اُنہیں اعلیٰ تریں سرکار ہے

رحمتِ حق کا ہے وہ اک سائباں.
جس کے سینے میں دلِ بیدار ہے

جو مُقرّب اور عارف حق کا ہے
باطنی حاکم ہے وہ مختار ہے

کیا تقاضا ہم سے ہے ایمان کا
راہِ حق میں صبر ہے ایثار ہے

سب سے اعلیٰ شان ہے ایمان کی
اِس حقیقت کا مجھے اقرار ہے

بے بہا بے شک ہے ایمان و عمل
بارگاہِ حق میں یہ شہوار ہے

منحصر ہی ہے نجات ایمان پر
آخرت ورنہ جہنم زار ہے

راہِ ایمان و عمل پر جو چلا
وہ بڑی تعظیم کا حقدار ہے

جو خلافِ عدل و حق بڑھتا گیا
پھر وہ شیطاں کا ہی آلۂ کار ہے

دل مرالرزاں ہے اُس کے خوف سے
وہ خُدا جو واحِدُ القَھّار ہے

ہے وہ خوش قسمت کہ جو بخشا گیا
جاں فدا اُس پر مری صدبار ہے

نیکیوں کو ختم کرتے ہیں گناہ / یہ محل ہوتا ہی پھر مسمار ہے
کرتی بدکاری ہے انساں کو تباہ / گر ترقی کی بھی یہ رفتار ہے
آزمائش حق کی آساں تو نہیں / بے شبہ یہ مرحلہ دشوار ہے
نفس و شیطاں سے جو لڑتا ہی رہا / ہے وہی جو صاحبِ انوار ہے
دین و ایماں پر ہے جو ثابت قدم / وہ یقیناً حاملِ اقدار ہے
یہ غزل ہے یا کہ پند و وعظ ہے / کچھ بھی ہو یہ درد کا اظہار ہے
دل جلوں کا حُسن سے کیا واسطہ / گر کسی کی زُلف بھی خمدار ہے
آج گُم سُم ہے شرافت دھر میں / اور رذالت تیز ہے طرّار ہے
نیک لوگوں کی ہے اب تعداد کم / فاسقوں کا لشکرِ جرّار ہے
ہے سعادت ہو چکی ناپید اب / بس شقاوت ہی گلے کا ہار ہے
جو سُدھارے خود نہ اپنے حال کو / اس کی خاطر کون ذمّہ دار ہے
معصیت کو چھوڑ کر حق پر چلے / کون اس کے واسطے تیار ہے
ہو تکبّر دل میں دوزخ ہے یہی / اس کی تھوڑی بھی اگر مقدار ہے
شاعری میں کوئی حق گوئی کرے / پھر مصیبت سے ہی وہ دوچار ہے
حق تعالیٰ نے ہیں بخشے مرتبے / غوث ہے کوئی کوئی ابرار ہے
زندگی ہے پُر خطر اک کشمکش / میرے دل کا جس میں حالِ زار ہے
سب پہ ہوتا ہے اثر ماحول کا / ہے محلّہ شہر ہے گھر بار ہے
سب پہ صحبت کا بھی ہوتا ہے اثر / دوست ہمسایہ ہے رشتہ دار ہے
غازیؔ کردار ہے افضل تریں / بے حقیقت غازیؔ گفتار ہے
کس کا ہوگا حشر کیا انجامِ کار / کیا خبر وہ نُور ہے یا نار ہے
کیا ہے اِس دُنیائے دُوں کی اصلیت / جھوٹ ہے غفلت کا یہ بازار ہے

کون ہے اِس زندگی میں کامراں　　وہ کہ جس میں خُوبیِٔ کردار ہے
بیشتر ہاتھوں میں ہے تسبیح اب　　پھر بھلا باطن میں کیوں زُنّار ہے
کون کرتا پھر ہے اُس کا احترام　　اِس جہاں میں کوئی جو عیّار ہے
اصل میں دیتا وہ خود کو ہے فریب　　جو کہ دنیا میں کوئی مکّار ہے
جو مسائلِ زندگی کے حل کرے　　ذِکرِ حق ہے محفلِ اذکار ہے
دھر میں آزاد ہے جس کا ضمیر　　ہے وہی جو حامیِٔ احرار ہے
صبر کا ملتا ہے یوں میٹھا ثمر　　جوں خوشی ملتی دمِ افطار ہے
کیوں نہ پاکیزہ پھر اپنا ہو ضمیر　　جب صداقت رہبرِ افکار ہے
کون اوروں کے لئے جیتا ہے اب　　سب کو اپنے آپ سے ہی پیار ہے
سب ہیں انساں کیا امیر و کیا غریب　　پھر بھی حائل اِن میں کیوں دیوار ہے
کوئی سمجھے کیوں غریبوں کو حقیر　　کیا یہی عظمت کا اک معیار ہے؟
کوئی متکبّر بڑا ہوتا نہیں　　یہ خباثت کی بڑی دستار ہے
کوئی کیا جانے کسی کا دردِ دل　　اس میں جلتا ہی کوئی ناچار ہے
دل شکستہ ہے تو ہے بے سُود حُسن　　گر حسیں ہے زُلف یا رُخسار ہے
لُطفِ دنیا سب کو دیتا ہے فریب　　اس سے بچتا عارفِ ہُشیار ہے
عدل ہی بہتر اگر ہے ظُلم سے　　کس لئے پھر ظُلم پر اِصرار ہے
عدل و حق کو مان لے دنیا اگر　　امن ہو اور ختم ہر یلغار ہے
کام آئے گا جہاں حُسنِ عمل　　زر کا بے معنی وہاں انبار ہے
ظلم ظالم کو ہی کرتا ہے تباہ　　حق کی جب اس پر بڑی پھٹکار ہے
ہو بُری سیرت تو صورت کیا کرے　　کیا ہُوا چمڑی اگر گلنار ہے
وہ جو ہے بس ایک ہی جائے پناہ　　حق کی رحمت کا حسیں گلزار ہے

اِس جہاں میں ظُلم کتنا بھی بڑھے
کامراں ہوتا نہیں زنہار ہے

صاف کرتا دل کو ہے اچھا عمل
پڑ چُکا اِس پر اگر زنگار ہے

دولتِ دنیا نہیں مقبولِ حق
کیوں تکبّر کر رہا زردار ہے

چھین لیتا کون ہے دل کا سکُوں
وہ بُرے اعمال کی یلغار ہے

دشمنی شیطاں کی ہوتی ہے عیاں
جب کہ ہوتا دل پہ اس کا وار ہے

یادِ حق سے دل کو ملتا ہے سکوں
اب ترستا جس کو دنیا دار ہے

گرنہ ہو انصاف دنیا ہے تباہ
ظلم ہی کی سب یہ پیداوار ہے

قوم کا ہوتا ہے پھر انجام کیا
جب قیادت اس کی بدکردار ہے

ہاتھ چوروں کے کٹیں سُدھریں گے سب
خاص کرزانی بھی جب سنگسار ہے

لیڈروں کے اور امیروں کے طُفیل
مُفلسوں میں غُربت و اِدبار ہے

ظلم پر ہے عدل کو جب فوقیت
عدل سے پھر کیوں بھلا انکار ہے

عدل قائم ہو مٹے ہر ایک ظلم
کیوں نہ اب اس پر بحث تکرار ہے

اس پہ راضی خالق ومخلوق سب
جو کہ سچّا ہے دیانتدار ہے

عدل گر مغلُوب ہے دنیا میں اب
پھر بھی اسکی ظُلم کو للکار ہے

پاس اپنے ہے بس اک خونِ جگر
یہ بھی اَب وقفِ غمِ دلدار ہے

سب ہیں کرتے اہلِ ثروت کا طواف
کیوں کہ دولت کی وہاں جھنکار ہے

بیچ دے اپنا جو ایمان و ضمیر
اصل میں بد بخت و نا ہنجار ہے

شاعری جزُ درد کے ممکن نہیں
دردِ دل ہی زینتِ اشعار ہے

کہتے ظالم آج ہیں مظلوم کو
عدل و حق پر یہ بڑا طُومار ہے

سچ میں اتنی کیوں ہے تلخی اے بشیر
کیوں حقیقت کی کڑی سرکار ہے

(۲۴)

عجب ہے داستانِ درد میری زندگانی میں
تلاطم خیز ہے ہر واقعہ میری کہانی میں
کہاں مُمکن ہے درد و غم سے بچنا دارِ فانی میں
یہی اک کشمکش رہتی ہے جاری نیم جانی میں
حیات و موت کی اک کشمکش ہے زندگی میری
تمنّاؤں کا ہوتے خون دیکھا ہے جوانی میں
مجھے کہنا نہیں آتا کہوں کیا حالِ دل اپنا
بیاں کی داستاں اپنی ہے میں نے بے زبانی میں
ہے اکثر غم کے سائے میں ہی گذری زندگی میری
بلا سے اپنی کوئی جھومتا ہو شادمانی میں
نہ ہوتی کامراں ہے شاعری خالی تخیّل سے
کہ اِس کی کامرانی ہے دلوں کی ترجمانی میں
جو ہوتا اِس جہاں میں ہے وہ سب ہیں دیکھتے لیکن
نہ جانے راز کیا ہے بعد ازاں ہر آنجہانی میں
ہے دریا زندگی کا بہہ رہا رُکتا نہیں ہرگز
ہو چاہے کچھ بھی آیا فرق کب اِس کی روانی میں

فریبِ نفس و شیطاں ہی ہلاکت تک ہے پہنچاتا
یہ دھوکہ سب ہیں کھاتے چند روزہ زندگانی میں

یہ ہر فتنے کی جڑ ہے یہ تو قتلِ آدمیّت ہے
نہ جانے کیا زہر ہوتا چھُپا ہے بدگمانی میں

گُناہ و جُرم سے دل ہو ہی جاتا ہے سیاہ و سنگ
جہنّم کی ہے یہ پہلی نشانی ہر نشانی میں

نہیں اچھا ہے مُردوں اور اندھوں کی طرح جینا
حقیقی زندگی پنہاں ہے حق کی راز دانی میں

نکمّا اور کاہل بن کے جینا تو نہیں اچھا
کہ ہے لُطف و وقار اِس زندگی کا جانفشانی میں

ہم اِس دنیا کے جھُوٹے فلسفوں میں ہیں بھٹک جاتے
ہے رازِ زندگی پنہاں نِدائے آسمانی میں

کسی بھی کام میں تا انتہا جانا نہیں اچھا
کہ بہبودی ہے پوشیدہ و طیرہَ درمیانی میں

اُٹھائیں ہم قدم جو بھی ہے اس میں احتیاط اچھی
نہاں ہر کام کی ہے کامرانی نظرِ ثانی میں

نہیں انساں ہے وہ جو قدر اوروں کی نہیں جانے
کہ پنہاں ہے سعادت آدمی کی قدر دانی میں

نہیں ہے طاقت و تدبیر چلتی اس میں انساں کی
کہ ہاتھ اُس خالقِ یکتا کا ہے ہر کامرانی میں

ہے مہمانوں کی خدمت میں بھی کفّارہ گناہوں کا
سعادت کا شرف ملتا ہمیں ہے میزبانی میں

ہم اُس کو یاد ہیں کرتے ہے جس کے ہاتھ میں سب کُچھ
بھلا رکھا ہے کیا اہلِ جہاں کی قصّہ خوانی میں

بھلا اِس چند روزہ زندگی پر کیا وہ اِترائے
تباہی جس کی ہونی ہو حیاتِ جاودانی میں

گلُوں کی آبیاری ہو حفاظت دیکھ بھال اِن کی
یہی اک فرض ہوتا لازمی ہے باغبانی میں

فضاؤں پر شفق کا ارغوانی رنگ چھایا ہے
کہ ہے خونِ جگر میرا بھی رنگِ اَرغوانی میں

وطیرہ امتحانوں کا جو رائج اب ہے دنیا میں
تغیُّر چاہئے کچھ اِس طریقۂ امتحانی میں

سناتے اپنے شعروں میں حقیقت کے ہیں نکتے ہم
جو چاہے وہ چُنے اِن موتیوں کو نکتہ دانی میں

رمُوزِ معرفت جو چشمِ بینا میں ہیں عارف کی
نہیں مَلتا ہے یہ گوہر کسی کی وعظ خوانی میں

بلاؤں سے تحفُّظ کا بشیرؔ امکاں اسی میں ہے
ہمیشہ راہِ حق میں تُو رہے اِس جانفشانی میں

☆☆☆

(۲۵)

کروں کیا میں تیری نصیحتوں کو یہ دردِ دل کی دوا نہیں
مرے چارہ گر تری اِس دوا میں تو میرے دل کی شفا نہیں
غمِ دل تو ہے مرا پُر خطر مری جان لے گا یہ سر بسر
یہ وہ غم ہے جس کی دوا نہیں یہاں کام آتی دُعا نہیں
مرا درد جان سکے نہ وہ مرا حال بھی نہ سمجھ سکے
ہے مری یہ اپنی ہی کچھ خطا مرا اُن سے کوئی گلہ نہیں
میں نے حق کا ساتھ نہیں دیا میں تو راہِ حق پہ نہ چل سکا
ہے اسی کی پائی یہ اب سزا یہ مری ہے اُن کی خطا نہیں
میں تو انتظار نہ کرسکا صبر اختیار نہ کرسکا
میں تو خود ہی پیار نہ کرسکا جبھی اُن کا پیار ملا نہیں
وہی راستے سے بھٹک گیا ہوا گُمرہی میں وہ مُبتلا
جو خطا ہی کرتا رہا یہاں کبھی جس نے پائی سزا نہیں
جو کسی میں ہو نہ خلوص اور ہو فُتورِ نیّت و دل میں بھی
تو جہاں میں اُس پہ کسی کا بھی کوئی اعتبار رہا نہیں
تُو نے خود پلایا جو ساقیا وہی میں بھی پیتا رہا سدا
کبھی پینا چاہا جو مانگ کر تو وہ جام تُو نے دیا نہیں

غمِ زندگی نے یہ کیا کیا کہ مجھے جھنجھوڑ کے رکھ دیا
یہ نہ حال ہوتا مرا اگر ہوئی مجھ سے ہوتی خطا نہیں

جو مریض کھائے وہی کہ جس سے منع کیا ہو حکیم نے
وہ سدا رہے گا مریض ہی اُسے حق بھی دیتا شفا نہیں

غم و درد دے کے ہمیں کبھی اگر آزماتا ہے وہ خُدا
پسِ پردہ اِس میں ہیں رحمتیں یہ کوئی نزولِ بلا نہیں

ہیں کدُورتیں ہی دلوں میں اب وہی بُغض و کینہ عداوتیں
اُسے آدمی کہوں کس طرح جسے دل میں صِدق وصفا نہیں

وہ جو بھُوکے ننگے ہیں دھر میں اسی بے بسی میں ہیں مُبتلا
خورو نوش ہی انہیں چاہئے کسی دلرُبا کی ادا نہیں

نہ بصیرت اِس کی نظر میں ہے نہ حقیقت اِس کے ہے قلب میں
وہی گمرہی میں ہے مُبتلا کوئی جس کا راہنُما نہیں

ہو عطا ہوئی جسے معرفت ملی روشنی جسے قلب کی
اُٹھے اُس سے سارے حجاب پھر کوئی راز اس سے چھپا نہیں

میں نے دردِ دل کا سُنا دیا میں تڑپ تڑپ کے ہوں رو رہا
وہ جو مانگتا میں رہا سدا کیا تُونے وہ تو عطا نہیں

یہ حیات و موت یہ خیر و شر ہیں قضا و قدر کے فیصلے
یہ ازل میں طے شُدہ بات ہے بجُز اِس کے آتی قضا نہیں

جہاں رشوتیں ہوں سُفارشیں ملیں نااہل کو ہی مرتبے
جہاں اہلیت کا نہ پاس ہو یہ ستمگری تو روا نہیں

ہے یہ چند روز کی زندگی ہے یہاں عمل کو ہی برتری
جہاں تاک میں ہو فنا رہی وہاں زندگی کو بقا نہیں
زرو مال و طاقت و جبر کا ہی رواں ہے سکّہ جہان میں
یہ جو گونجتی ہے ہر ایک سمت یہ بے کسوں کی نَوا نہیں
یہ جہاں تو اندھا ہے دوستو یہاں کون کس کو ہے جانتا
مرا درد کیا وہ سمجھ سکے کبھی جس نے درد سہا نہیں
وہ جو گزری ہم پہ ہے آج تک جو گزرنی آج کے بعد ہے
ہے ازل کی سب یہ ستم گری کوئی اِس میں اپنی خطا نہیں
نہ خلوص ہے اُسے عشق میں نہ ہے دل میں درد نہ ہے وفا
تری راہ میں جو مٹا نہیں ترے نام پر جو فدا نہیں
بھلا جانے کیا وہ کسی کے رنج و اَلم کو اور غم و درد کو
کبھی زندگی میں جو مُبتلا کسی درد و غم میں ہوا نہیں
وہ جو زندگی میں ہمیشہ رنج میں درد میں رہا مُبتلا
میں ہی اُس کا حال ہوں جانتا مرا درد اُس سے جُدا نہیں
کیا لکھا ہے کس کے نصیب میں کیا یہاں ہو کیا ہو یہاں کے بعد
ہے ازل سے راز یہ سر بسر کبھی اس سے پردہ اُٹھا نہیں
کیا وہ معرفت کو سمجھ سکے کہاں دیکھ پائے وہ رازِ حق
نہیں دل میں جس کے ہے روشنی کبھی ایسی رہ پہ چلا نہیں
کوئی ایسی راہ پہ کیوں چلے کوئی ایسا کام ہی کیوں کرے
ہے بُرائی جس میں بھری ہوئی کہیں جس میں کوئی بھلا نہیں

ہے وہی بڑا جو ہے مُتقی کوئی کارِ بد جو نہیں کرے
ہے نہ فرق اِس کے سِوا کوئی نہیں چھوٹا کوئی بڑا نہیں

ہے جو خالقِ دمِ زندگی ہے مُعالجِ غمِ زندگی
ہے تمام خلق کا چارہ گر گیا یہ اِس کے در پہ گدا نہیں

نہ بندھی ہوئی ہے غزل مری کسی بے لگام مجاز سے
یہ حقیقتوں کا ہے آئینہ یہ مجاز ہی کی صدا نہیں

میں ہوں زندہ اور یہ جہاں بھی ہے میں نہ ہوں گا پھر بھی رہے گا یہ
نہیں فرق پڑتا ہے کچھ اسے کبھی کام اِس کا رُکا نہیں

ہے اندھیرا نُور کی ضد کہ جیسے خلاف ظُلم کے عدل ہے
یہی نیک و بد کا تضاد ہے کبھی شر سے خیر جڑا نہیں

وہ جو فلموں ڈراموں میں ظالم اور وِلن ہیں اُن سے عوام سب
کیا نہ کرتے سخت ہیں نفرت اور کیا سمجھتے ان کو بُرا نہیں؟

ہے تضاد باطل وحق میں بھی کہ ہے جیسے ظُلمت و نُور میں
رہے خیر و شر بھی جُدا جُدا کبھی سچ بھی جھوٹ بنا نہیں

ہمیں نامُرادی و درد و غم نے ہے اس طرح سے کُچل دیا
کہ چمن جو دل کا اُجڑ گیا تو کبھی دُوبارہ بسا نہیں

یہ فریب و مکر کا ہے جہاں یہاں پارسائی کی آڑ میں
ہیں لُٹیرے لُوٹتے خلق کو کہ میں خود بھی اِن سے بچا نہیں

کوئی مجھ سے شِکوہ گِلہ کرے یہ عجیب بات ہے دوستو
جو میں خود ہوں دھر میں دل جلا تو یہ شِکوہ مجھ سے بجا نہیں

ہیں وہ خوش نصیب بھی دھر میں ملا جن کو پیار و فا ملی
میں نہ پا سکا کوئی ایسی شے یہ مرے نصیب میں تھا نہیں

کیا چارہ گر نے علاج تھا جانے کیوں نہ پھر بھی ہوئی شفا
ہے یہ درد بڑھتا ہی جو رہا کسی طور سے یہ گھٹا نہیں

جو صداقت و حق و عدل پر رہا کار بند خلوص سے
ہے وہ ساری خلق میں معتبر جو کسی نظر سے گرا نہیں

میں کبھی وہ شعر نہ کہہ سکا کہ جو عدل و حق کے خلاف ہو
مجھے یا وہ گوئی نہ چاہئے یہ ضمیر و دل کی ضیا نہیں

یہ دغا یہ لُوٹ یہ دھاندلی یہ فریب و مکر کی زندگی
ہے یہ ذلتوں سے بھری ہوئی کہ جسے وقار ملا نہیں

کرے آپ اپنی مدد کوئی تو ہے زندگی میں وہ کامراں
وہ نہ چل سکا کبھی دو قدم کہ جو اپنے بَل پہ کھڑا نہیں

ہے یہ چاہتا وہ خدا ہی آج جو ہو رہا ہے جہان میں
یہ نہ سمجھو بس ہیں یہ واقعات کہ جن میں حق کی رَضا نہیں

کوئی ہو یہاں کہ نہ ہو یہاں یہ جہاں تو چلتا ہے دوستو
کوئی زندہ ہو کہ نہ زندہ ہو کبھی فرق اِس کو پڑا نہیں

نہ کی جس نے حق کی ہی پیروی نہ ہی راہِ حق میں کیا ہے صبر
جیسے کامرانی کی سمت وہ کبھی ایک گام بڑھا نہیں

وہ جو قبلِ موت مرا نہیں وہ جو راہِ حق میں نہیں مٹا
تو یہ جان لو وہ فلاح تک کسی طور سے بھی رَسا نہیں

جو نہ سمجھے فرق بدی وَ نیکی میں عدل و ظلم میں دوستو
تو ہے کھوٹ اس کے خمیر میں کسی طور سے جو کھرا نہیں
یہ جہاں ہے وہ کہ عمل ہمارے کا ہوتا اِس میں ہے امتحاں
یہاں مومنوں کی ہی جیت ہے کہ ضمیر جن کا بِکا نہیں
ہے وہ احترام کا مُستحق کہ جو مردِ حق ہے جہان میں
یہ خدا رسیدہ بُزرگ ہے کوئی رُتبہ جس سے بڑا نہیں
جو رسیدہ مستِ خُدا ہے بس وہی بالغ اور ہے دیدہ وَر
نہیں بالغ ایسا وہ کوئی فرد جو نفس سے ہو جُدا نہیں
جو عمل ہو صالح و با تُقا یہی بہترین لباس ہے
کہیں اِس سے بڑھ کے جہان میں کوئی دیدہ زیب قبا نہیں
مرے حال پر بھی ہو رحم اب ہوں مری خطائیں معاف سب
مرا سر جھکا ہے اُٹھے گا کب ابھی دل ہی میرا ابھرا نہیں
کیا ہے ملک و قوم کا حق اور اِس میں ہے حکمرانوں کا فرض کیا
یہاں اقتدار کی بھُوک میں یہ سبق کسی نے پڑھا نہیں
ہیں محبتیں مری زندگی یہ نہ ہوں تو دنیا ہے اجنبی
میں محبتوں سے ہی زندہ ہوں بجُز اِن کے میں تو جیا نہیں
میں سکُون آج ہوں کھو گیا مجھے وحشتوں نے ڈبو دیا
نہ ملا جو پیار تو رو دیا کہ یہ جام آج پیا نہیں
ملا درد ہے مجھے اور غم نہ ہوا نہ ہوگا کبھی یہ کم
تھا یہی کرم ہے یہی ستم مرا درد کوئی نیا نہیں

یہ جہاں دُکھوں کا ہی گھر تو ہے جہاں دل بھی دُکھتے ہیں لازماً
شاید ایسا ہوگا نہ دھر میں کوئی دل کبھی جو دُکھا نہیں

وہ جو زخمیوں کی شفا بنیں وہ جو دردِ دل کی دوا بنیں
وہ جو بے نوا کی نوا بنیں کبھی رنگ اِن کا جما نہیں

جو خوشی میں مست رہا سدا کبھی درد جس کو نہ غم ہوا
ذرا اُس کا حال بھی دیکھ لے کبھی جس کا اشک تھما نہیں

ہوا کامراں کیا مُومنانہ عمل کہ جس نے جہان میں
رہِ راست پر رہا گامزن کسی موڑ پر جو مُڑا نہیں

وہی مُتّقی ہے جہان میں جو بُرائیوں سے بچا رہے
کوئی شے ہو جس کی ممانعت کبھی ایسی شے کو چھُوا نہیں

جو الیکشنوں کا ہے سلسلہ یہ بھی بیشتر ہے ضرر رساں
کہ نہ کوئی ہے وہ لُٹیرا اب جسے قوم نے کہ چُنا نہیں

تُو جو اقتدار کی مسندوں پہ براجماں ہے یہ جان لے
کہ ہے تیرے مُلک میں جو بھی کُچھ ہے وہ قوم کا وہ ترا نہیں

وہ جو پریس میں آج ہے چھپ رہا ہو خبر وہ کوئی کہ تبصرہ
وہ جو حق پہ مبنی مواد ہے وہ کبھی تو اِس میں چھپا نہیں

غم و درد کو نہ کبھی بشیرؔ بُرا سمجھ تُو جہان میں
کہ نگاہِ حق میں بُرا ہے وہ کبھی درد جس کو ہُوا نہیں

☆☆☆

(۲۶)

نہ جگر ہی پارہ پارہ نہ یہ دل فگار ہوتا
کبھی کاش بے تمنّا دلِ بے قرار ہوتا

مرے دل کی ہر تمنّا سے یہ حالِ زار ہوتا
کہ نڈھال حسرتوں سے دلِ اَشکبار ہوتا

یہ زمانہ ہم سے بھی گر کبھی سازگار ہوتا
تو ہماری زندگی میں نہ یہ انتشار ہوتا

بھلا اپنی بگڑی کیسے نہ بنائی ہوتی ہم نے
جو ہمیں کبھی مُقدّر پہ بھی اختیار ہوتا

کوئی انتہا نہ ہوتی مری بھی مُسرّتوں کی
ہوا کامرانیوں سے جو میں ہمکنار ہوتا

کبھی مہرباں بھی ہوتا یہ فلک جو ہے ستمگر
تو جہاں کے دل جلوں میں نہ مرا شُمار ہوتا

یہ غزل لکھی ہے جس میں وہ تو ہے زمینِ غالبؔ
میں نہ اِس زمیں میں لکھتا جو نہ دل فگار ہوتا

کبھی زندگی میں دیتا مرا ساتھ گر مُقدّر
مرا نامُرادیوں میں نہ یہ حالِ زار ہوتا

ہُوا کامران ہوتا میں بھی اپنی زندگی میں
جو مری گرفت میں یہ دلِ بے قرار ہوتا
کبھی رند بن کے پیتا نہ میں جام یوں مُسلسل
اگر اپنی میکشی میں نہ کوئی خُمار ہوتا
ہے جہاں میں ہو رہا جو میں اگر نہ دیکھتا وہ
تُو سُخن میں نُکتہ چینی نہ مرا شُعار ہوتا
کبھی شکوہ درد و غم کا کبھی شکوۂ زمانہ
یہ نہ ہوتا گر مُقدّر کبھی ساز گار ہوتا
جو ارادہ میرا ہوتا رہِ راست پر مُصمّم
کبھی میری زندگی میں نہ یہ خلفشار ہوتا
رہِ عدل و حق پہ ہوتا اگر آج تک میں قائم
کبھی اس طرح نہ دامن مرا تار تار ہوتا
ہوا بامُراد ہوتا میں بھی دو جہاں میں یکسر
کبھی راہِ حق میں خود کو جو کیا نثار ہوتا
وہ نجات کا بھی آخر کبھی مُستحق تو بنتا
جو یہاں کئے پہ اپنے کبھی شرمسار ہوتا
مرے دل کی روشنی میں تو کوئی کمی نہ ہوتی
میں اگر حقیقتوں سے نہ کبھی فرار ہوتا
جو ہیں دیندار اُن کے ہیں معاملات بدتر
کہیں کاش صاحبِ دل کوئی دیندار ہوتا

ہوئی ہوتی گر زمانہ سے نہ دُور آدمیّت
تو جہاں میں دل جلوں کا کوئی غمگسار ہوتا
کبھی حوصلہ بھی ملتا جو سبھی کی خوبیوں کو
تو بُرائیوں کا ممکن ہے کوئی سُدھار ہوتا
وہ جو حکمراں ہیں بنتے ہیں وہ بنتے پھر لُٹیرے
نہ یہ قوم اُن کو چُنتی جو نہ اعتبار ہوتا
کبھی بُھوک پیاس مِٹتی نہ غریب بے کسوں کی
جو سٹیج پر نہ لیڈر کوئی شعلہ بار ہوتا
کوئی حصّہ پھر نہ لیتا کبھی اِن الیکشنوں میں
جو سبب نہ عیش و دولت کا یہ اقتدار ہوتا
کبھی قوم کو تنزُّل سے نجات پھر نہ ملتی
جو منسٹروں کا شیوہ نہ یہ لُوٹ مار ہوتا
نہ جو حق پسند ہوتے تو نہ ہوتی آدمیّت
کہ لُٹا یہ قافلہ پھر سرِ رہگُذار ہوتا
مری اپنی ہی بصیرت مری راہبر جو ہوتی
میں جہاں میں سازشوں کا نہ کبھی شکار ہوتا
میں بھی سر بسجدہ ہوتا دل وجاں سے اُس کے آگے
جو قُبول بارگہ میں مرا اِنکسار ہوتا
جو عمل مرا بھی ہوتا کبھی اِس جہاں میں اچھا
مرا حال بھی یقیناً بڑا شاندار ہوتا

کبھی کاش ہم کو ملتا اسی قوم میں وہ قائد
کہ ہو صاف جس کا دامن جو نہ داغدار ہوتا

جو کوئی تضاد ہوتا میرے قول و فعل میں بھی
تو خود اپنی ہی نظر میں مرا کیا وقار ہوتا

میں غزل میں یوں نہ لکھتا کبھی اِن حقیقتوں کو
میں اگر حقیقتوں کا نہ وفا شُعار ہوتا

کسی قوم ہی کا ہوتا جو عمل جہاں میں اچھا
نہ جہاں میں اس سے بڑھ کر کوئی شاہکار ہوتا

غمِ ہجر میں کہیں میں نہ پڑوں ہلاکتوں میں
شاید اِس کا پھر مُقدّر کو بھی انتظار ہوتا

وہی قوم کی بھی کرتا رہِ راست پر قیادت
کہ جو اِس میں نیک سیرت کوئی شہسوار ہوتا

ہوں میں دل جلا نہ چلتا کسی رُخ کا مجھ پہ جادو
کہ جو سامنے بھی میرے کوئی گُلعذار ہوتا

تجھے اے فلک خبر ہے ترے تیر کا نشانہ
کوئی اور گر نہ ہوتا تو یہ خاکسار ہوتا

اگر اِس جہاں میں ہوتا کوئی بے ریا و مُخلص
تو ضرور اپنی خوبی سے وہ مُشکبار ہوتا

کوئی اہلِ دل کہ ہوتا جو کمالِ معرفت میں
ہے وہی جو ہفت ِکشور کا بھی تاجدار ہوتا

کوئی بھی حقیقتوں کو نہ مجاز سے ملائے

یہ جہاں بغیر حق کے کوئی خارزار ہوتا

نہ کہیں جہاں میں ہوتا کوئی خوش نصیب ہم سا

کہ جو مہربان ہم پر بھی وہ کردگار ہوتا

میں یہ خُوب جانتا ہوں کہ یہ راز زندگی کا

کسی کام کا نہ ہوتا جو نہ آشکار ہوتا

کوئی نیک خُو نہ ہوتا کبھی نیک خُو جہاں میں

کہ جو شُترِ نفس اُس کا ہوا بے مُہار ہوتا

غم و درد گھیر لیتے جو نہ مجھ کو اِس جہاں میں

تو چمن مری اُمیدوں کا بھی پُر بہار ہوتا

ہے قصُور کیا مُقدّر کا ہو جبکہ اپنی غلطی

جو کوئی بُرا نہ کرتا تو کبھی نہ خوار ہوتا

نہ کبھی جہاں میں ہوتا کوئی نا اُمید و بے بس

کہ جو حملہ نا مُرادی کا نہ بار بار ہوتا

نہ کسی میں ہے مُروّت ترا کون پھر ہے اے دل

یہ جہاں تو اجنبی ہے کوئی رازدار ہوتا

جو رہا عمل ہی ہوتا مرا اِس جہاں میں اچھا

تو مُسرّتوں کا مسکن ہی مرا مزار ہوتا

نہ رہی وہ آدمیّت کوئی کس سے درد بانٹے

کوئی تو رفیق ہوتا کوئی دوستدار ہوتا

کبھی حق ادا بھی ہوتا جو غریب بے کسوں کا
کوئی پھر نہ اِن میں نالاں نہ ہی سوگوار ہوتا

ہیں جہاں میں دن گزرتے شبِ غم کی ظلمتوں میں
کوئی وقت کاش آتا کہ جو تابدار ہوتا

جو یہ حال ہے جہاں کا ہیں یہ جیسے غم کے بادل
کبھی کاش اب یہ موسم یہاں خوشگوار ہوتا

ہے وہ خوش نصیب شہرت سے بچا جو اِس جہاں میں
اُسے فتنہ گھیر لیتا جو وہ نامدار ہوتا

یہ مری طویل غزلیں نہ کسی کو بور کرتیں
جو کبھی مری غزل میں ذرا اختصار ہوتا

یہ بتا کہ اُس بچارے پہ جہاں میں کیا گزرتی
جو یہاں بشیرؔ تجھ سا کوئی دِلفگار ہوتا

☆☆☆

(۲۷)

نرالا ہر غمِ دل سے غمِ دلدار ہوتا ہے
دلِ پُردرد کا در ماں خیالِ یار ہوتا ہے
نشانِ قہر ہے نفرت سے جو آزار ہوتا ہے
جو قدرت مہرباں ہو تو دلوں میں پیار ہوتا ہے
یہ دکھلا وا ہمیشہ بے اثر بیکار ہوتا ہے
ہے یہ تیرِ محبت جو جگر کے پار ہوتا ہے
ہو کیسے درد ظاہر جب نہ دل میں پیار ہوتا ہے
کہ دل کے درد کا تو خود بخُود اظہار ہوتا ہے
جہاں میں پھر یہ جینا کس قدر دشوار ہوتا ہے
کہ جب بگڑا مُقدّر ہی گلے کا ہار ہوتا ہے
دلوں کو کھینچتا جو ہے وہ مقناطیس ہے شفقت
خلوص و شفقتِ دل کا بڑا دربار ہوتا ہے
گلاب ویاسمن کیوں اپنی رعنائی پہ نازاں ہیں
کسی مالی کے دم سے جب دمِ گلزار ہوتا ہے
کرے محفل میں کوئی رِند کیوں اپنی ہی من مانی
کہ جب منّت کشِ ساقی ہر اک میخوار ہوتا ہے

بجُز احساس مانے کوئی کیسے اپنی غلطی کو
کہ غلطی کا فقط احساس سے اقرار ہوتا ہے

غزل وہ کیا حقیقت سے نہ کچھ ہو واسطہ جس کا
حقیقت ہو نہ جس میں جھوٹ کا انبار ہوتا ہے

یہ شفقت ہے کہ جس سے تازہ دم مخلوق رہتی ہے
بجُز اِس کے تو جینا ہی بہت دشوار ہوتا ہے

مبارکباد دو اُس نیک بخت انساں کو دنیا میں
بُرائی سے جو ہر دم برسرِ پیکار ہوتا ہے

زباں بندی ہی ہوتی ہے غریبوں بے نواؤں کی
یہ دولت مند ہے جو صاحبِ گُفتار ہوتا ہے

سدا کوئی بچارا درد و غم سہتا ہے دنیا میں
مُسرّت سے ہمیشہ جب کوئی سرشار ہوتا ہے

ہے انساں اشرفُ المخلوق عزّت اِس کی ہے لازم
ادب اِس کا ہر اک برتاؤ میں درکار ہوتا ہے

یہ شفقت ہے کہ جس سے زندگی ہے پھولتی پھلتی
کہ بیڑا زندگی کا تو اسی سے پار ہوتا ہے

کسی کی نامُرادی کی وجہ کیا ہے خُدا جانے
عمل کا اِس پہ یا تقدیر کا یہ وار ہوتا ہے

یہ انساں نیک کاموں کی بدولت بچ کے رہتا ہے
ہے یہ برباد ہوتا جب کہ یہ بدکار ہوتا ہے

کوئی ناکام ہے یوں کامرانی کے لئے نالاں
که جیسے تندرستی کے لئے بیمار ہوتا ہے

خلوص و شفقتِ دل سے ہے رونق بزمِ عالم کی
اسی سے زندگی کا راستہ ہموار ہوتا ہے

ہے عارف مردِ کامل اور مُقرّب صاحبِ باطن
ضمیر اس کا ہے روشن اور دل بیدار ہوتا ہے

وہی بس راہِ حق پر ہے اور اس میں ہے وہ سچّا بھی
جو اپنی جان دینے کے لئے تیار ہوتا ہے

مجازی عشق وہ دھوکہ ہے جس سے شاعری میں بھی
حقیقت چھوڑ کر ذکرِ لب و رُخسار ہوتا ہے

مُسلسل نا مُرادی ہو نہ پہنچے کوئی منزل تک
جہاں میں اس طرح جینا جہنّم زار ہوتا ہے

حقیقت تک جو پہنچے اور حقیقت کو جو پہچانے
تو پھر اُس کی نظر میں یہ جہاں مُردار ہوتا ہے

سماجوں میں نہ سچّائی نہ ہی ایمانداری ہو
تو یہ سرطان سے بدتر ساحالِ زار ہوتا ہے

بلا ہوتی نہ پھر نازل یہ دنیا پُرسکوں ہوتی
کہ باعث ہر تباہی کا بُرا کردار ہوتا ہے

نہیں بڑھ کر ہے اس سے کوئی بھی شہکار دُنیا میں
ہے یہ کردار اچھا جو بڑا شہکار ہوتا ہے

جہاں میں کون پُوچھے اِن غریبوں بے نواؤں کو
توجّہ کا تو مرکز اب کوئی زردار ہوتا ہے

جو رکھتا درد ہو انسانیت کا پاک دامن ہو
حقیقت میں وہی تو قوم کا سالار ہوتا ہے

تکبُّر ہو رَوا کیوں کر کہ جب اعلانِ حق ہے یہ
کہ خادم قوم کا خود قوم کا سردار ہوتا ہے

غرور و بد دماغی پر تو ہے پھٹکار ہی سب کی
محل نخوت تکبّر کا سدا مسمار ہوتا ہے

بُرے کو اپنی کرنی کی سزا مل کر ہی رہتی ہے
مگر اِس کے لئے کچھ وقت تو درکار ہوتا ہے

بڑائی مال و زر میں اور شہرت میں نہیں ہوتی
بڑا ہے مُتقی جو صاحبِ کردار ہوتا ہے

صحت منداور روشن دل ہے عارف ہی کے سینے میں
کہ سینۂ غیر عارف میں دلِ بیمار ہوتا ہے

وہ جس کو نامُرادی درد و غم نے گھیر رکھا ہو
بچارا زندگی اپنی سے وہ بیزار ہوتا ہے

یہی تو مُلک کی اور قوم کی ہے بد نصیبی جب
حکمراں اور قائد کوئی بدکردار ہوتا ہے

نہ جب احساس رہتا ہے نتیجہ پھر ہے گُمراہی
بُرائی کے لئے ماحول یوں تیّار ہوتا ہے

ہے جس کے پاس سب کُچھ اُس کو بھی آئے گی موت آخر
کہو اب کون ہے دنیا میں جو مُختار ہوتا ہے
کسی کو معاف کر دیں ہم یہ ہے سب سے بڑا بدلہ
جو کر دے ختم دُشمن کو یہ ایسا وار ہوتا ہے
سدا بے شرمی و بے غیرتی ہے موت سے بدتر
وہی زندہ ہے جو غیُّور اور خوددار ہوتا ہے
ہے بدبختی اگر کوئی بُرائی میں معاون ہو
سعادت مند نیکی میں اعانت کار ہوتا ہے
بشکلِ ایڈس قُدرت نے سزا دی بدمعاشی کی
گُناہوں کا گڑھا اب حُسن کا بازار ہوتا ہے
میں اپنی شاعری میں شعر ایسا کہہ نہیں سکتا
سکھا کر جو بُرائی اِس کا آلۂ کار ہوتا ہے
غزل گوئی میں ہم کیوں حق پسندی کو نہ اپنائیں
کہ ہر میدان میں حق قابلِ دیدار ہوتا ہے
سیاست داں ہے کہتا میں تو بس خادم ہوں پبلک کا
مگر ثابت ہوا عملاً کہ وہ عیّار ہوتا ہے
گُلوں کی عارضِ گلگُوں کے آگے ہوتی ہے سُبکی
تو مُشکِ زُلفِ جاناں سے خجل تاتار ہوتا ہے
بھروسہ ہم کریں کس پر کسے دُنیا میں اپنائیں
کوئی عیّار ہوتا ہے کوئی مکّار ہوتا ہے

نہ رہبر جس کی ہے عقلِ سلیم اِس دارِ فانی میں
وہ آخر کار اک دن لُقمۂ منجدھار ہوتا ہے

نہ ملک و قوم کو اپنے ہی گھر کو ہے بناتا یہ
کہ ماہر اب اسی فن میں سیاستکار ہوتا ہے

بھلا کیا وہ بھی ہے کوئی جگہ جس میں کہ ظالم کو
سزا دینے کی خاطر عدل کا دربار ہوتا ہے

نہ جانے کیوں بشیؔر اِس کا یقیں آتا نہیں ہم کو
کہ اِس دنیا میں اب بھی کوئی نیکوکار ہوتا ہے

☆☆☆

(۲۸)

دل نہیں لگتا کسی کی دلرُبائی چاہیئے
دلنوازی چاہیئے درد آشنائی چاہیئے

دل شکستہ ہے کسی کی ہمنوائی چاہیئے
ناؤ ڈوبے جارہی ہے نا خُدائی چاہیئے

کاش بن جائے وہاں بگڑی ہماری بھی کبھی
آج اُن کے در پہ قسمت آزمائی چاہیئے

اُن کی خاطر چھوڑ دوں گر بادشاہی بھی ملے
بس مجھے اُن کے ہی کوچے کی گدائی چاہیئے

کیوں بھٹک جاتا بشر دن کے اُجالے میں بھی ہے
با بصیرت جو ہے اُس کی رہنمائی چاہیئے

دوستی چلتی نہیں ہے جز خلوص و درد کے
دوستی کے واسطے دل کی صفائی چاہیئے

چاہتے سب مُخلصانہ ہیں وفا اپنے لئے
کون کہتا ہے کہ مجھ کو بے وفائی چاہیئے

اس جہاں میں گر ہے نیکی تو بدی بھی ہے یہاں
ہو بُرائی کو مٹانا تو بھلائی چاہیئے

زندگی ہے موت سے بدتر غم و آلام میں
مُشکلیں آساں جو کردے وہ خُدائی چاہیئے

یہ اگر کہنا پڑے کیا باطل وحق میں ہے فرق
حق کی پھر تعریف باطل کی بُرائی چاہیئے

راہِ حق میں چاہتا گر کامرانی ہے کوئی
صبر اِس کے واسطے پھر انتہائی چاہیے

فرق مٹ جائے مَن وتُو کا ہمیشہ کے لئے
دو دلوں کے بیچ ایسی آشنائی چاہیئے

وہ جو حق ہے کیوں نہ میں غزلوں میں کہدوں صاف صاف
حق سے ہرگز بھی نہیں بے اعتنائی چاہیئے

کوئی چاہے ہو دُعا مقبول تو اُّس کے لئے
عاجزی کے ساتھ اپنی بے نوائی چاہیئے

مل کے دو دل جب کہ بن جائیں رفیقِ زندگی
درمیاں اِن کے نہ ہرگز پھر جُدائی چاہیئے

کون کرسکتا مدد تقدیر کے مارے کی ہے
خالقِ تقدیر سے ہی تو دُہائی چاہیئے

کیوں مدد مانگے کوئی غیروں سے اپنے واسطے
جبکہ بھائی کی مدد کو اُس کا بھائی چاہیئے

کیوں غزل خالی تخیُّل کی بنے اک داستاں
اس میں عملی زندگی کی رُونمائی چاہیئے

دل جلوں کو کیسے خوش آئیں جہاں کی رونقیں
اُن کو اپنے دردِ دل کی ہی دوائی چاہیئے

میں اشاروں اور کنایوں میں نہیں کہتا ہوں شعر
شعر میں مجھ کو حقیقت تک رسائی چاہیئے

آج رشتوں کے لئے دنیا میں یہ بھی شرط ہے
ایک اعلیٰ نوکری اعلیٰ پڑھائی چاہیئے

کوئی گر چاہے کہ حق کا دھر میں غلبہ رہے
حق کی پھر توصیف اور اس کی بڑائی چاہیئے

صاف دل اپنا رہے دنیا میں ہر انسان پر
سب کی خاطر اپنی نیت کی صفائی چاہیئے

حاکم و محکوم اور مظلوم و ظالم کی خبر
انتہائی گر نہیں تو ابتدائی چاہیئے

چھائی گُلشن کی فضاؤں پر اُداسی کیوں ہے اب
بُلبُلِ نغمہ سرا کی خوش نوائی چاہیئے

سیرت و کردار میں تحسین ہم چاہیں اگر
بد نُمائی دُور کر کے خوش نُمائی چاہیئے

باغباں بن کر جلایا ہے چمن صیاد نے
نالہ زن بُلبُل کی اب نغمہ سرائی چاہیئے

داستانِ درد کہتے ہیں پریشاں حال لوگ
اِن بچاروں کی تو اب مُشکل کُشائی چاہیئے

خارزاروں میں ہوا دامن ہمارا تار تار
ہے رفُو درکار اب اِس کی سِلائی چاہیئے

آج جب دنیا میں ہے چاروں طرف بددیانتی
ہر دیانت دار کی مدحت سرائی چاہیئے

جو نہیں پہچانتا خود کو سمجھتا ہے یہی
اپنے مقصد کے لئے تو خود ستائی چاہیئے

اپنی محنت اور دیانت کا ثمر ہے اپنا حق
ہو جواں جب فصل تو اِس کی کٹائی چاہیئے

دیکھنا ہی چاہیئے کیا ہے حلال و کیا حرام
اِس کی خاطر خوں پسینے کی کمائی چاہیئے

ہے وہ خوش قسمت کسی کُٹیا میں ہے جو پُرسکوں
بوریا کافی ہے جس کو اور چٹائی چاہیئے

ہے خدا حافظ سیہ کاری میں جب دل ہو سیاہ
اس کی پھر اعمالِ حسنہ سے صفائی چاہیئے

ساتھ سچّائی کا دینا ہی اگر چاہے کوئی
حق نوائی چاہیئے پھر حق نُمائی چاہیئے

کوئی اپنا نا اگر چاہے کسی کو دھر میں
پھر خلوص و دردِ دل سے آشنائی چاہیئے

اس جہاں میں بہتریں کوئی عمل چاہے اگر
اپنے باطن اور دل کی پھر صفائی چاہیئے

مشکلوں کا حل اگر تُو چاہتا ہے اے بشیرؔ
خالقِ کون و مکاں سے پھر دُہائی چاہیے

☆☆☆

(۲۹)

جہاں میں کاش کوئی دردِ دل کا چارہ گر ہوتا
ہمارا بھی کوئی ہمدم تو ہوتا ہم سفر ہوتا
ہماری زندگی میں درد رہتا لازماً شامل
نہ دردِ دل اگر ہوتا تو یہ دردِ جگر ہوتا
مرا نالہ مُؤثّر ہوگیا جب دل مرا ٹُوٹا
نہ لگتی چوٹ جو دل پر تو نالہ بے اثر ہوتا
دلاتا جو یقیں بھی اُن کو میرے دردِ فُرقت کا
میسّر کاش ایسا کوئی مُجھ کو نامہ بر ہوتا
بجُز دل کے ہے میرے پاس کیا جو پیشکش کردوں
اگر ہوتا بھی کچھ اِس کے سِوا تیری نذر ہوتا
اگر ملتا نہ مُجھ کو آسرا تیری محبت کا
مرا پھر لمحہ لمحہ درد و غم ہی میں بسر ہوتا
نہ اِس کو تھامتی قُدرت جو اپنے دستِ قوّت سے
یقیناً پھر جہانِ رنگ و بُو زیر و زبر ہوتا
اُنہیں ڈالا نہ ہوتا میری جھولی میں جو قسمت نے
غمِ فُرقت پریشانی کا باعث عُمر بھر ہوتا

اگر مُجھ پر ہوئی ہوتی نہیں نظرِ کرم اُن کی
بھٹکتا میں سدا تاریکیوں میں بے بصر ہوتا

وہ آبادی پریشاں جس کے بڑھنے سے ہے یہ دُنیا
نہ ہوتی موت تو اِس میں اضافہ کس قدر ہوتا

غم وحرماں کا باعث آج جو بے روزگاری ہے
کہیں یہ غم نہ ہوتا عام گر کسب و ہُنر ہوتا

جو قُدرت عقل دے کر اِس کو سیدھی رہ نہ دکھلاتی
ہلاکت میں پڑا انسان کب کا سربسر ہوتا

ملا اب تک نہ دنیا میں مجھے انساں کوئی ایسا
جو ہوتا نیک نیّت اور یکسر بے ضرر ہوتا

مُصیبت جھیل لیتے وہ کہ جو قسمت کے مارے ہیں
کبھی اُن کی مُصیبت کا جو عرصہ مُختصر ہوتا

کشش کا سلسلہ فطرت نہ کرتی خود اگر پیدا
کہاں پھر قُلزُمِ ہستی میں یہ مدّ و جزر ہوتا

پریشاں موت کا احساس کرتا پھر نہ انساں کو
دوامِ زندگی سب کا اگر مثلِ خضر ہوتا

عمل اچھا کیا ہوتا جو میں نے دارِ فانی میں
پھلا پھُولا مرا اب تک اُمیدوں کا شجر ہوتا

اگر منظور فطرت کو نہ ہوتا انقلاب اتنا
تغیّر کیوں بھلا حالات میں پھر اِس قدر ہوتا

کبھی مجھ کو بھی ملتا کاش موقعہ اُس کی خدمت کا
جو مُرغِ بے نوا اِس دھر میں بے بال و پر ہوتا

نہ شامل دردِدل شاعر کا رہتا اُس کے شعروں میں
وہ جو بھی شعر کہتا پھر یقیناً بے اثر ہوتا

بڑا احسان ہوتا قادرِ مُطلق کا یہ مُجھ پر
محو میں نیک کاموں میں اگر شام و سحر ہوتا

اگر روشن نہ کرتی قُدرت اِن کو دستِ قُدرت سے
کہاں روشن جہاں میں شمس ہوتا یا قمر ہوتا

دُوبارہ کاش میری زندگی میں وہ گھڑی آتی
کہ پھر ہوتا مرا سر اور اُن کا سنگِ دَر ہوتا

تصوُّر میں اگر اُن کا نہ کرتا دیدۂ دل سے
تو دل میں اضطراب و درد ہی شام و سحر ہوتا

ہدایت گر مجھے دیتا نہ گُمراہوں کا وہ ہادی
تو میں بھی اِس جہاں میں درپئے لعل و گُہر ہوتا

دلوں میں خود اگر قدرت نہ رکھتی شفقت واُلفت
تو ویراں یہ جہاں لگتا کہ جو بے بام و در ہوتا

نہ چُنتے لوگ ہی گر آج کے اِن حکمرانوں کو
کہاں اِن کا پھر ایسے منصبوں پر سے گُزر ہوتا

ولی موجُود ہوتا کوئی اب بھی عارِف کامل
وہی دُنیائے دُوں کا آج شاہِ بحروبر ہوتا

دوام اِس شمس کے اِس نُور کو دیتی نہ جو قُدرت
وہ روشن چند لمحوں کے لئے مثلِ شرر ہوتا

وہ نجدیؔ بانئی وھّابیت ہوتا اگر اچھا
حدیثوں میں وہ پھر معتُوب ہی کیوں اس قدر ہوتا

بھلا منصور کیا کرتا، ہے تیرا حُسن ہی ایسا
نہ کیوں بے چارہ تیرے عشق میں شوریدہ سر ہوتا

ہمیشہ میں جو چلتا راستی ایمانداری پر
دمِ آخر مری خاطر یہی رختِ سفر ہوتا

مرا پھر حال کیا ہوتا سزا ملتی اگر مجھ کو
سزا کا بھی جو باعث یہ مرا دامانِ تر ہوتا

غزل گوئی مری خاطر خطا کاری ہی بن جاتی
غزل میں گر حقیقت سے میں یکسر بے خبر ہوتا

یقیناً ساری خلقت اُس کے پیچھے پڑ چُکی ہوتی
جو آج اک صاحبِ باطن جہاں میں دیدہ وَر ہوتا

کسی کو گر یقیں ہوتا جہاں سے کُوچ کرنے کا
تو وہ اِس کے لئے پھر محوِ سامانِ سفر ہوتا

مجھے عشقِ مجازی سے نہیں ہے کوئی دل چسپی
وگرنہ میری غزلوں میں بڑی حد تک اثر ہوتا

مٹا کر خواہشیں اپنی کیا تُو نے بشیرؔ اچھا
تجھے اِن سے جو ملتا وہ تباہی اور شر ہوتا

بشیرؔ اِس دور میں ہوتا جو کوئی صاحبِ دل بھی
وہ حق کا سایۂ رحمت دلوں کا تاجور ہوتا

(۳۰)

حقیقت عشق کی کیا اِس سے پہچانی نہیں جاتی
کہ شوریدہ سری میں چاک دامانی نہیں جاتی
نہ ہوتا حق ادا ہے اور نہ ہوتی ہے وفا ثابت
کہ جب تک خاک کوئے یار کی چھانی نہیں جاتی
پہنچتے ہیں کئی صدمے ہمارے دل کو دنیا میں
مگر پھر بھی کبھی اپنی غزل خوانی نہیں جاتی
گزرتی ہے کسی کے دل پہ کیا یہ کون سمجھے گا
کہ حالت دل کی دنیا میں کبھی جانی نہیں جاتی
ٹھہر جا اے طبیب دردِ دل کچھ اور لمحوں تک
بہ آسانی خراشِ دردِ پنہانی نہیں جاتی
کہاں بچنا ہے ممکن درد و غم سے اے مرے ہمدم!
بھلا دنیائے دُوں میں کیوں پریشانی نہیں جاتی
دلِ حسّاس بنتا ہے پریشانی کا باعث بھی
کہ احساس و تمنّا کی فراوانی نہیں جاتی
گہے کم ہمّتی بنتی ہلاکت کا بھی ہے باعث
ہے جاتی زندگی لیکن تن آسانی نہیں جاتی

گُناہ و جُرم اپنے پرنہایت ہوں میں شرمندہ
مگر پھر بھی اُمیدِ فضلِ ربّانی نہیں جاتی

بھلا پہچان سکتا ہے وہ کیوں کر اہلِ دنیا کو
کہ اپنی بھی حقیقت جس سے پہچانی نہیں جاتی

ہے قسّامِ ازل نے با سعادت لکھ دیا جن کو
کبھی اُن کی جہاں میں خُوئے ایمانی نہیں جاتی

مُبارک آپ کو یہ دو جہاں کی کامرانی ہو
مری اِس نامُرادی کی وجہ جانی نہیں جاتی

سُپر طاقت کہیں یا آج کی چنگیزیت اس کو
یہ دہشت گرد امریکی حکمرانی نہیں جاتی

لکھا کلکِ ازل نے ہی جنہیں بد بخت اور بدخُو
کبھی خصلت سے اُن کی خُوئے شیطانی نہیں جاتی

یہ ہتھیاروں کی دوڑ اور جنگ کی در پردہ تیّاری
امن کے داعیوں کی شعلہ سامانی نہیں جاتی

جہاں میں بادشاہت بھی ہے فوجی آمریّت بھی
تو جمہوری زمانے میں بھی سُلطانی نہیں جاتی

زمانے نے ستم ڈھایا مگر میں حق پہ قائم ہُوں
کہ حق گوئی پہ مبنی یہ سُخندانی نہیں جاتی

اگر بادل ہیں یکسر روکتے بھی اِس کی کرنوں کو
تو پھر بھی مہرِ رخشاں کی درخشانی نہیں جاتی

نظر آتا نہیں اُلّو کو نُورِ مہرِ رخشندہ
کبھی اس کی مگر صوتِ شبستانی نہیں جاتی

نہ بدلے گا وہ دل ہو سرد مہری جس کی فطرت میں
جہاں گرمی نہ ہو فصلِ زمستانی نہیں جاتی

جو راہِ عدل وحق میں صدمہ اور نقصان بھی پہنچے
کبھی بھی رائگاں لیکن یہ قُربانی نہیں جاتی

ہیں رُسوا چاپلوس اب خوار ہیں لیکن تعجّب ہے
کہ اِن سے اہلِ منصب کی ثنا خوانی نہیں جاتی

ہلاکت تک بھی ہم کو زندگی میں ہے یہ پہنچاتی
مگر افسوس پھر بھی اپنی نادانی نہیں جاتی

جو میری نا مُرادی کی وجہ میرا مُقدّر ہو
مری دراصل پھر اس میں خطا مانی نہیں جاتی

عجب ہیں راز قدرت کے عجب اسرار فطرت کے
ہے بے بس عقلِ انساں جس کی حیرانی نہیں جاتی

ترحُّم ہے یہ خالق کا کہ بچ جاتی ہے یہ دنیا
کبھی رحم و کرم کی خُوئے یزدانی نہیں جاتی

کِیے کرتا ہوں نادانی سے میں گُستاخیاں اُن سے
مگر پھر بھی کبھی اُن کی مہربانی نہیں جاتی

محبّت مُخلصانہ دو دلوں کے درمیاں گر ہو
ہو کتنی بھی رکاوٹ ان کی یک جانی نہیں جاتی

کسی کو یہ نہیں معلوم نے ہوتی ہے کیوں نالاں
غمِ فُرقت میں ہے فکرِ نیستانی نہیں جاتی

اگر حق ہی ہے مُشتر کہ مِشن پھر تفرقہ کیوں ہے
ہو مقصد ایک جن کا اُن کی یکسانی نہیں جاتی

جہاں میں زندگی کی مثل ہر شے آنی جانی ہے
مگر یہ دین و ایماں کی ہی ارزانی نہیں جاتی

بھلا کب نیک نیت امن کی باتوں میں ہے دُنیا
کہ ہتھیاروں کی اب یہ دوڑ طوفانی نہیں جاتی

ہیں مرد اِن خدا حاوی جہاں پر اور خلقت پر
کہ باطن میں کبھی اُن کی جہانبانی نہیں جاتی

بڑے خوش بخت ہیں وہ جو ہدایت حق سے پاتے ہیں
کبھی پھر کیفیت اُن سے وہ نورانی نہیں جاتی

اگر ایماں نہ دل میں ہو تو ہے ملبوس بھی عُریاں
کہ پھر کپڑے پہن کر بھی تو عُریانی نہیں جاتی

یہ فلم اِنڈسٹری ہے یا کہ اڈّہ ہے یہ شیطاں کا
کبھی جس سے کہ فحّاشی و عُریانی نہیں جاتی

اگر عورت حکومت میں بڑے منصب بھی پاتی ہے
کبھی اِس کی مگر وہ خُوئے نسوانی نہیں جاتی

سِدھا کر آج حیوانوں کو اِن سے کام لیتے ہیں
کبھی اِن کی مگر فطرت وہ حیوانی نہیں جاتی

ملا ہے عارفوں کو مرتبہ ایسا جہاں اُن سے
خُدا کی دی ہوئی طاقت وہ رُوحانی نہیں جاتی

اگر لعلِ بدخشاں ظُلمت و خاشاک میں بھی ہو
تو ایسے حال میں بھی اِس کی تابانی نہیں جاتی

مُنوّر اولیا کا عارفوں کا قلب و باطن ہے
کبھی پھر کیفیت اُن کی وہ عرفانی نہیں جاتی

ہے کیوٹی وی کے بدلے پیس ٹی وی کا یہی مطلب
ابھی وہّابیت کی فتنہ سامانی نہیں جاتی

حقیقی عالموں کی نظریاتی اختلافوں میں
بحث کرتے ہوئے تنویرِ بُرہانی نہیں جاتی

یہ دنیا حق سے غافل کر کے دوزخ تک ہے پہنچاتی
کبھی دنیائے دُوں کی خوئے شیطانی نہیں جاتی

نفس کی پیروی ہے پیروی شیطان کی یکسر
جبھی تو عُمر بھر یہ حرصِ نفسانی نہیں جاتی

بصد ارمان لائیں ہم اگر اک لالۂ صحرا
تو پھر بھی اس کی وہ رنگت بیابانی نہیں جاتی

یہ ظاہر ہے کہ تب تک کام کوئی ہو نہیں سکتا
کہ جب تک اِس کی اپنے دل ہی میں ٹھانی نہیں جاتی

ہو کوئی عیب جس میں سب اُڑاتے ہیں مذاق اس کا
مگر اپنی بُرائی اِن سے پہچانی نہیں جاتی

اگر شاعر بھی حق گوئی پہ معتُوبِ زمانہ ہو
نِکھرتی ہے مزید اِس سے سخندانی نہیں جاتی
وبا ہو یا کوئی آفت یہ آخر جاتی رہتی ہے
مگر یہ دھاندلی رشوت بدعنوانی نہیں جاتی
نہ جب تک ظُلم رشوت دھاندلی کا خاتمہ ہی ہو
غریبی بھُوک کی حالت یہ بحرانی نہیں جاتی
بشیرؔ اِس زندگی میں درد و غم پائے بہت ہم نے
توکّل سے مگر ہمّت کی جُولانی نہیں جاتی

☆☆☆

(۳۱)

زندگی بوجھ ہے جو ہم سے اُٹھایا نہ گیا
خود کو اِس آگ میں ہم سے تو جلایا نہ گیا

اپنی حالت کو چھُپانا مری عادت ہے مگر
غم کا طُوفاں ہے جو دل میں وہ چھُپایا نہ گیا

دیکھنا ہوگا یہ دن بھی ہمیں معلوم نہ تھا
ہم سے رُوٹھے وہ کچھ ایسے کہ منایا نہ گیا

جانے قسمت کا ستم ہے کہ خطا ہے اپنی
دل ہوا دل سے جُدا یوں کہ ملایا نہ گیا

اُن کی عادت ہے کہ وہ سب کو رُلاتے ہیں مگر
ہم جو خُوں روئے تو اُن سے بھی رُلایا نہ گیا

جسم و پوشاک کے سب داغ مٹائے ہم نے
داغ لیکن جو ہے دل پر وہ مٹایا نہ گیا

تھی طبیعت میں تھکاوٹ تو کسالت دل میں
اس لئے باہمی اُلفت کو بڑھایا نہ گیا

بدنصیبوں کا زمانے سے جُدا حال رہا
یہ وہ رُوٹھے ہیں کبھی جن کو منایا نہ گیا

خوش نصیبوں کے سدا وقت تو گُن گاتا ہے
بدنصیبوں کا غم و درد مٹایا نہ گیا

کیوں نہ نظروں سے گرے اور رہے وہ ناکام
جس کو اخلاق ہی دنیا میں سکھایا نہ گیا

ہم نے دیکھا وہ رذیلوں کی طرح جیتا ہے
دلنوازی کا سبق جس کو پڑھایا نہ گیا

یہ بداخلاق ہے جو دل ہے دُکھاتا سب کا
جذبہ نفرت کا جبھی مجھ سے چھُپایا نہ گیا

کیوں نہ میں اپنی نگاہوں کا تحفُّظ کرلوں
دل کی پُونجی کو سرِ راہ لُٹایا نہ گیا

پھر رہِ راست پہ چلنا ہو نہ کیوں کر آساں
جبکہ دھوکہ ہی کبھی نفس سے کھایا نہ گیا

نفس کی قید میں رہنا ہے بڑی محرومی
دل کی آزادی کا جب لُطف ہی پایا نہ گیا

وہ سدا نفس کے لُطفوں میں گرفتار رہا
دل کے عرفاں کا جسے جام پلایا نہ گیا

چشمِ بینا سے مُشرّف ہو کوئی پھر کیونکر
دل کی آنکھوں ہی سے پردہ جو ہٹایا نہ گیا

سہہ سکے وہ نہ ہی دُوری نہ ہی نزدیکی مری
دور رکھا نہ گیا پاس بٹھایا نہ گیا

وہ مسیحا ہیں دلوں کے ہیں مُعالج سب کے
قصّہٗ درد مگر ہم سے سُنایا نہ گیا
اہلِ شر ہی کی بدولت تو نہ گُذرا اب تک
کوئی لمحہ بھی ہمیں جبکہ ستایا نہ گیا
ایسے اُجڑا وہ سکوں دل کا خوشی ختم ہوئی
کہ ہمیں پھر کبھی اُس حال پہ لایا نہ گیا
جو لُڑھک جائے ہے پھر اُس کا سنبھلنا مُشکل
ایسے بگڑا یہ مُقدّر کہ بنایا نہ گیا
یہ بھی کیسا ہے مُقدر کہ اُجاڑا جس نے
ہے چمن یوں مرے دل کا کہ بسایا نہ گیا
جارج بُش، ٹونی بلیر اور وہ شیروں قاتل
ہیں وہ شیطاں جنہیں پھانسی پہ چڑھایا نہ گیا
اہلِ ثروت کے سدا گیت ہے گاتی دُنیا
دل شکستوں کا جہاں ذکر بھی پایا نہ گیا
اب نہ ایمان رہا ہے نہ ہی انساں کا ضمیر
وعدہ کرتے تو سبھی ہیں جو نبھایا نہ گیا
زخم دینا ہی فقط جانتی ہے یہ دُنیا
کسی مجرُوح پہ مرہم تو لگایا نہ گیا
نقش ہو جاتی ہیں بچپن کی وہ یادیں دل پر
یہ وہ باتیں ہیں کبھی جن کو بھلایا نہ گیا

پھر جہاں والے نہ کیوں ہوتے مُسلّط ہم پر
حال اپنا جو کبھی ہم سے چھُپایا نہ گیا
روز ہوتا ہے جو، کہتا ہوں میں غزلوں میں وہی
جھوٹ کا جال کبھی مجھ سے بچھایا نہ گیا
گھر کی کھڑکی کے تو پردے کو ہٹایا میں نے
اپنے دل پر ہے جو پردہ وہ ہٹایا نہ گیا
کتنے نا اہل ہیں کتنے ہیں نکمّے ہم بھی
پیار کا بوجھ بھی تو ہم سے اُٹھایا نہ گیا
زندگی اپنی میں تھا رنگ خوشی کا بھی کبھی
بعد ازاں ہم سے وہی رنگ جمایا نہ گیا
حسرت و یاس کا عالم ہے سجاتی دنیا
آرزوؤں کو اُمیدوں کو سجایا نہ گیا
کیوں نہ تقدیر کی طاقت ہی کہیں پھر اِس کو
آندھیوں سے بھی دیا جبکہ بُجھایا نہ گیا
آہ یہ پستیِ ہمّت تھی کہ تھی نا اہلی
وہ بُلاتے تھے مگر ہم سے ہی آیا نہ گیا
اس طرح دل کا چمن دھر میں اُجڑا ہے بشیؔر
کہ جتن کر کے بھی ہم سے یہ بسایا نہ گیا

(۳۲)

جو ہو قسمت اپنی میں درد و غم تو پھر اس سے بچنا محال ہے
کہ نوشتہ جو ہے ازل کا اِس سے بچے یہ کس کی مجال ہے
جو قضا و قدر کا فیصلہ ہے اٹل ہے سارے جہان میں
یہ وہ شے ہے سامنے جس کے کوئی جواب ہے نہ سوال ہے
جسے نامُراد ازل کرے تو پھر اُس کا اِس میں قصور کیا
جو ہو بامُراد نصیب سے تو کچھ اُس کا بھی نہ کمال ہے
کیا ہے بے نواؤں کی زندگی یہی درد و غم یہی بے بسی
کبھی اِن بچاروں کے رُخ پہ کوئی جلال ہے نہ جمال ہے
وہ کبھی ہمارے تھے قدرداں تھے کبھی وہ ہم پہ بھی مہرباں
مگر آج اُن کی یہ بے رُخی جانے کس خطا کا مآل ہے
میں وفا شُعار ہوں دلرُبا رہے مجھ سے پھر کوئی کیوں خفا
کہ گواہ اس کا جہان میں میری زندگی کا یہ حال ہے
مہ و مہر کوہ و فلک میں دشت و دمن میں باغ و بہار میں
ہے ترا ہی نُور یہ ہر طرف یہ ترا ہی حُسن و جمال ہے
کریں رحم خلقِ خدا پہ ہم کہیں اِس پہ ظلم نہ ہم سے ہو
ہے سبب خدا کے غضب کا یہ کہ خدا ہی کا یہ عیال ہے

یہی کرنی بھرنی ہے دوستو جو عمل ہو ویسا ہی پھل ملے
جو بُرا کرے گا جہان میں تو اُسی پہ اس کا وبال ہے
کوئی گر جتائے خلوص، دل میں ہو کینہ بُغض ہو کھوٹ ہو
یہ فریب دے کے ہے قتل، جُرم ہے، قاتلانہ یہ چال ہے
کریں ہم بُرا تو بھلے کی پھر بھی اُمید ہم کریں کس طرح
جو نہ بوئے کاٹے گا وہ کوئی، ہے عیاں کہ یہ تو محال ہے
ہو جو نیک نیت و دل کا صاف، غنیمت اس کا وجود ہے
وہی اِس جہاں کی ہے روشنی کہ وہ آپ اپنی مثال ہے
یہی حرص و آز کا ہے فریب کہ مقصد اپنی حیات کا
ہے نظر ہماری میں عزّ و جاہ وحصولِ مال و منال ہے
جو لکھا ہوا اپنے نصیب میں کریں ہم قبول نہ کیوں اِسے
کوئی چاہے اِس سے بھی سرکشی تو بھلا یہ کس کی مجال ہے
ہے یہ شان مردِ خدا کی جس کو ملی ہے قُرب میں معرفت
ہے یہ نُورِ وصل سے شاد کام تو رُخ پہ جاہ و جلال ہے
نہ میں دیندار نہ تُو ہے اب کہ معاملات ہیں بدتریں
نہیں مُخلصانہ عمل ہے آج فقط یہ قیل و مقال ہے
جو ضمیر اپنے کو بیچ کر ملے عیش و عشرت و مال و زر
میں سمجھ سکا نہ کہ اصل میں یہ عروج ہے کہ زوال ہے
ہے ازل سے گردشِ چرخ کا رہا وقت سے یہی رابطہ
کہ اِسی کے زیرِ نفوذ رات ہے دن ہے اور مہ و سال ہے

یہ اہم تقاضۂ زندگی ہے اثر بھی اس میں غضب کا ہے
یہی عُقدہ نام دیا گیا جسے ہجر اور وصال ہے

یہ فقط غزل ہی نہیں مری یہ حقیقتوں کی جھلک بھی ہے
کہ حقیقت اِس میں نہ ہو تو کیا ہے وہ شعر کیا وہ خیال ہے

جو نوادرات ہیں قیمتی وہ فقط ہیں دید کے واسطے
نہیں جامِ جم مرے کام کا ہے اگر تو جامِ سِفال ہے

یہی خواہشات تو اے بشیرؔ گُناہ و جُرم کا ہیں سبب
یہ نہیں ہے خواہشِ نفس یہ تو فریب و مکر کا جال ہے

☆☆☆

(۳۳)

روزمرّہ زندگی میں پیش آنے والی کچھ تلخ حقیقتیں

ہم بیکس لوگوں کا دنیا میں کون سہارا ہوتا ہے
جب ہم کو سب ٹھکراتے ہیں اللہ ہمارا ہوتا ہے
اپنے بیگانے سب کرتے جب باتیں ہیں بدخواہی کی
ایسے میں دُعا جو دے کوئی اللہ کا پیارا ہوتا ہے
ہیں میرے کام کی دنیا میں ایمان وہدایت کی باتیں
یہ میرے لئے یوں ہیں جیسے طوفاں میں کنارا ہوتا ہے
خوشحالی سے دنیا میں جئے آرام سے کوئی گھر میں رہے
دیکھو تو آج کی دنیا میں یہ کس کو گوارا ہوتا ہے
جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے شعروں میں وہی میں کہتا ہوں
سچ آخر سچ ہے جوہر روشن آنکھ کا تارا ہوتا ہے
جب دشمن اپنی بدخواہی کے تیر چلاتا ہے ہم پر
ہوتا ہے جگر چھلنی اور دل صدچاک بچارا ہوتا ہے
جب اپنے ارمانوں کا خوں ہوتے ہم دیکھتے ہیں ہردم
خود پر آتا ہے رحم کہ یہ دل سوز نظارہ ہوتا ہے

جب دل کی دھڑکن تیز ہو اور گھبراہٹ دل پر چھا جائے
یہ آنے والی آفت کا دل دوز اشارہ ہوتا ہے
تم اپنی ٹھاٹھ سے جیتے ہو ہم بیچاروں کا حال ہے کیا
جو ہر دم آہیں بھرتے ہیں دل درد کا مارا ہوتا ہے
ہے دنیا اُن کی جن کا دیتی ساتھ ہے قسمت ہر لمحہ
اُن کا جینا ہی کیا جن کا گردش میں ستارہ ہوتا ہے
جو موت کی چوٹیں سہتے ہیں اور نزع میں ہر دم رہتے ہیں
سوچو تو ذرا کیسے ان کا دنیا میں گذارہ ہوتا ہے
اب بُغض و حسد کینہ وَ کپٹ بدخواہی عام ہے دنیا میں
اِس دُکھ سے بچیں کیا جب ایسا ماحول ہی سارا ہوتا ہے
جیسا جو کرے ویسا وہ بھرے ہی اہم تریں ہے سچّائی
اِس سچّائی پر ہی مبنی انجام ہمارا ہوتا ہے
کچھ عرصہ تک جینے کا ہمیں قدرت نے جو بخشا ہے موقعہ
محدود سا ہے یہ وقفہ اِس پر کس کا اجارہ ہوتا ہے
اچھے انجام کی اور فلاح کی کرسکتا اُمید ہے وہ
اپنے اعمال کو اور خود کو جس نے کہ سُدھارا ہوتا ہے
مانا کہ خطا ہو جاتی ہے مایُوس نہ ہوں رحمت سے ہم
خالق کے عفوو کرم سے جب مخلوق کا چارہ ہوتا ہے
بازی دونوں عالَم کی بس وہ جیت گیا خوش بختی میں
دل روشن جس کا نُورِ بصیرت کا گھوارہ ہوتا ہے

اشعار بنانا ہے آساں اِن پر ہے عمل کرنا مُشکل
یہ بوجھ اُٹھانے سے قاصِر انساں بیچارہ ہوتا ہے
دل پر قابو پاکر ہے اس سے عمل کرانا کب آساں
دنیا میں دل جب بستی بستی کا سیّارہ ہوتا ہے
بدخوئی کر کے دُور ہے اس کو نیک بنانا مُشکل تر
انساں کا نفس خصوصاً جب یکسر امّارہ ہوتا ہے
بدکاری اور گناہوں سے دل کیوں نہ سیاہ و مُردہ ہو
پھر قابلِ کاشت نہیں یہ بنجر اور ناکارہ ہوتا ہے
انساں کو جہاں میں پیش آتی ہے ایسی مُشکل منزل بھی
صد چاک جگر ہوجاتا جب دل پارہ پارہ ہوتا ہے
دوزخ کی آگ کے پیشِ نظر دنیا کی مصیبت کچھ بھی نہیں
ہے صبر غنیمت جس سے عُقبیٰ میں چھٹکارا ہوتا ہے
بھٹکے نہ توجّہ دل کی کبھی یکسوئی اِس کو حاصل ہو
یہ کام ہے مشکل فطرت سے جب دل آوارہ ہوتا ہے
انساں کا نفس ہے ستّر شیطانوں کے برابر اک شیطاں
خصلت میں یکسر دوزخ ہی کا یہ انگارہ ہوتا ہے
رسمی تحریر و تخیُّل کا ہے علم و ادب پر کیا احساں
وہ جس میں حقیقت کا ہو بیاں ادبی شہہ پارہ ہوتا ہے
اک حق گو شاعر اور اک رسمی شاعر میں ہے فرق یہی
جیسے مہِ کامل کے پہلو میں کوئی ستارہ ہوتا ہے
دربارِ خداوندی میں ہمارے کام ہے آتا وقت وہی
مردانِ خدا کی صحبت میں ہم نے جو گزارا ہوتا ہے

کرتے جو دُعا ہم ہیں اُس کی ہوتی ہے اجابت ویسی ہی
اللہ کو ہم نے جیسے اور جس دل سے پُکارا ہوتا ہے

جو پیر و نفس کا بنتا ہے پیر و ہے بنتا شیطاں کا
جس نے کہ طلاق ہو نفس کو دی رب کا وہ دُلارا ہوتا ہے

ہر خواہش نفس کی طوفاں ہے اس سے بچ سکتا ہے بس وہ
طوفاں سے جس نے کشتی کو ساحل پہ اُتارا ہوتا ہے

دوزخ سے بچ پانے کی ہے کرسکتا کچھ اُمید وہی
دنیا میں اپنی کرنی کو جس نے کہ سنوارا ہوتا ہے

ہوتی یہ گناہوں کی ہے سزا کہتے ہیں غلط فہمی میں مگر
ہے جو بھی آفت کا مارا تقدیر کا مارا ہوتا ہے

برباد عمل ہوتا ہے ریا سے دکھلاوے خود غرضی سے
ہے کام کا دونوں عالم میں جو کام خُدارا ہوتا ہے

اپنی ہی غرض سے ہمدردی کا دکھلاوا کرتے ہیں سب
بے لوث و گرنہ کون ہے جو ہمدرد ہمارا ہوتا ہے

مخلُوق تمہیں گر چاہے تو اپنے ہی مطلب کی خاطر
جو مخلص ہے چاہت میں وہ اللہ تمہارا ہوتا ہے

ایمان کا بنتا جس سے محل ہے وہ تو عمل ہے اور یقیں
وہ نہ تو پتھر لکڑی لوہا اینٹ نہ گارا ہوتا ہے

جو صدّیق ہو کامل جس کا ایماں ہو دل روشن ہو
پھر مستی کے عالم میں اَنَا الحق اس کا نعرہ ہوتا ہے

دنیا میں عمل کرنے کا بشیر اب جان غنیمت یہ موقعہ
جب بعد از مرگ اسے پانا ممکن نہ دو بارہ ہوتا ہے

(۳۴)

بات وہ درد کی داستاں ہوگئی — جو دلوں کی زباں سے بیاں ہوگئی

راز کی بات جب سے عیاں ہوگئی — عُمر بھر کے لئے امتحاں ہوگئی

عام سی زندگی رائگاں ہوگئی — حق پہ جب مر مٹی جاوداں ہوگئی

زندگی اپنی پہلے جو آزاد تھی — خوف و اُمید کے درمیاں ہوگئی

وہ محبت جو دل میں تھی موہوم سی — آج پَل بڑھ کے کتنی جواں ہوگئی

وہ عقیدت وہ پہلی سی اُلفت کہاں — ہم سے دنیا ہے اب بدگُماں ہوگئی

زندگی وہ نہ گزری نظر سے کہیں — بد نصیبی میں جو کامراں ہوگئی

تھی دلوں میں جو ہوتی محبت کبھی — آج گُم وہ نہ جانے کہاں ہوگئی

زندگی جو مناتی تھی خوشیاں کبھی — اب غم و درد کی داستاں ہوگئی

تھی جو دنیا ہماری مخالف کبھی — جانے کیوں ہم پہ اب مہرباں ہوگئی

راز کی بات سر بستہ جو راز تھی — اب نہ جانے وہ کیوں کر عیاں ہوگئی

عدل کی اب یہ دنیا ہے قاتل بنی — اِس کی جو تھی کبھی پاسباں ہوگئی

گیت جن کے یہ دنیا تھی گاتی کبھی — آج اُن سے ہی کیوں بدگُماں ہوگئی

یہ وہ دنیا ہے ٹھکراتی ہم کو جو تھی — جب ضرورت پڑی قدرداں ہوگئی

دل جلوں کی جو تھوڑی سی تعداد تھی — بڑھتے بڑھتے وہ اک کارواں ہوگئی

حق پہ دنیا تھی تو شادو آباد تھی
بے سکونی کا اب اک جہاں ہوگئی

اپنی اوقات بھُولا ہے اب آدمی
یہ زمیں جانے کب آسماں ہوگئی

زندگی کی وہ کڑوی حقیقت جو تھی
کیوں وہ دنیائے دُوں سے نہاں ہوگئی

وہ جو انسانیت تھی جہاں میں کبھی
اب وہ مغلُوبِ دورِ زماں ہوگئی

زندگی خاص مقصد کی خاطر جو تھی
وہ گرفتارِ سُود و زیاں ہوگئی

جن بچاروں کی دُکھ درد ہی میں کٹی
زندگی اُن کو بارِ گراں ہوگئی

وہ محبت جو خود تک ہی محدُود تھی
ہے وہ اب نذرِ کوئے بُتاں ہوگئی

عقلِ عامہ ہے محدود دنیا تلک
کب حقیقت کی یہ رازداں ہوگئی

ہم پہ جلتی ہے دنیا تو جلتی رہے
کب کسی پر تھی یہ مہرباں ہوگئی

کھو چُکا ہے بشیؔر اپنا ہوش و خرد
جب سے اِس پر حقیقت عیاں ہوگئی

(۳۵)

اِک ہُوک اُٹھی دل میں، لی درد نے انگڑائی
اس حال میں ہے کس کو پھر تابِ شکیبائی
راس آتی نہیں مجھ کو ہے انجمن آرائی
جس سے ہے سکوں میرا ہے میری یہ تنہائی
کیا میری محبت تھی جو تُو نے ہے ٹھکرائی
حیراں ہوں تو اب کیسے ہے غیر کا شیدائی
کتنی ہے وفا لازم شاہد ہے یہ سچّائی
رہتا نہ کہیں کا ہے ہوتا ہے جو ہر جائی
نیت ہو بُری تو پھر کب بات ہے بن پائی
یہ بات سدا میں نے اشعار میں دہرائی
ہے شان سدا اپنی یہ وقت نے دکھلائی
رہتی نہیں خاقانی مٹ جاتی ہے دارائی
جلنے سے بچا دل بھی دنیا بھی ہے بچ پائی
رحمت کی گھٹاؤں نے برسات وہ برسائی
اشکوں سے بھرا دامن دیکھا تو فلک بولا
ظاہر نہ کرو اِس کو ہوگی مری رُسوائی

عیّاری و مکّاری چالاکی و بدخواہی
خالق کو نہ خلقت کو خصلت یہ پسند آئی
قدرت کی نہ کیوں عظمت تسلیم کریں پھر ہم
نظروں کو تھکا دیتی ہے چرخ کی پہنائی
ہے دور ہی جھوٹ کا یہ پھر اس میں صداقت کی
ممکن کہاں شنوائی اور کب ہو پذیرائی
آلام و مصائب نے جب گھیر لیا ہم کو
دل ٹوٹ گیا تو یہ رحمت کی گھٹا چھائی
اُس قہر سے ڈرتا ہوں نازل کہ ہُوا جس دَم
انساں نے سنبھلنے کی مہلت بھی نہ پھر پائی
اتنا بھی نہ خوش ہو تُو ظالم مرے زخموں پر
جو آہ بھری میں نے ہے عرش سے ٹکرائی
میں کچھ نہ کہوں پھر بھی جو بات مری سمجھے
ہے دوست وہی میرا جس میں کہ ہے سچّائی
کیوں رحم کے قابل وہ انسان نہ ہو جس کی
دنیا میں کبھی کوئی اُمید نہ بر آئی
حق کی ہی کسوٹی پر سب کچھ میں پرکھتا ہوں
دنیا میں نہیں ہوں میں بس ایک تماشائی
مبنی نہ عمل اپنا گر عدل پہ حق پر ہو
پھر اپنی دعاؤں کی ہوتی نہیں شُنوائی

خود پر ہی بھروسہ جب انساں کو نہیں رہتا
پھر اُس کا مُقدّر ہے ہر کام میں پسپائی

وہ شعر کبھی مجھ سے بن پائے ہے ناممکن
ہو جھوٹ پہ جو مبنی جس میں نہ ہو سچّائی

حسّاس مرا دل ہے مجروح جو ہوتا ہے
اِس درد میں ہوتی ہے کب کس کی مسیحائی

بے جان کوئی مادی سی چیز نہیں ہے یہ
نازک یہ مرا دل ہے اے گُنبدِ مینائی

گُلشن میں تُو اے مالی محتاط ذرا رہنا
کھِلتی وہ کلی کب ہے اک بار جو مُرجھائی

احوال ہیں گُونا گُوں اِس عالمِ فانی کے
ماتم ہے کہیں اور ہے بجتی کہیں شہنائی

قُدرت کے عطا کردہ اوصاف کہ جس میں ہُوں
ہوتی ہے اُسی میں پھر گہرائی و گیرائی

تُو چین سے جینے دے ہم کو، یہ نہیں ممکن
اے چرخ تجھے کس نے یہ بات ہے سکھلائی

ہے آج وہی ہوتا جس کا نہ گُماں بھی ہو
اب تو ہیں زمانے کے انداز ہی ڈرامائی

رہتا تھا صداقت اور ایمان پہ تُو اے دل
اب تیری طبیعت ہے کس چیز نے بہکائی

ڈھاتا ہی رہا ہے تُو دنیا پہ ستم اے چرخ
اور اپنی طبیعت ہے اِس طور سے بھلائی

بد اَصل کمینوں نے مارا ہے سدا ہم کو
ہے جُرمِ ضعیفی کی ہم نے یہ سزا پائی

ہوتا ہی تکبُّر کا دنیا میں ہے سر نیچا
انجام سدا اِس کا ہے ذلّت و رُسوائی

اخلاق سے نرمی سے ہی دل ہیں فتح ہوتے
نفرت ہی تو ملتی ہے جب شیخی ہو جتلائی

دل جس کا ہے نابینا کرتا وہ بحث کیوں ہے
جاہل ہے وہ اندھا جب دل میں نہیں بینائی

دنیا ہے بڑا دھوکہ جس میں کہ ہلاکت ہے
دھوکے میں نظر ہے وہ اِس پر ہے جو للچائی

سچّائی کی تلخی بھی جب میری غزل میں ہے
وہ داد کہاں پائے جس نے یہ غزل گائی

خادم کی مدد کا تو محتاج ہے آقا بھی
مطلب ہے کہ پھر تو ہے یہ نام کی آقائی

ہم پر جو گزرتی تھی کرتے نہ یقیں تھے تم
اب آیا یقیں تُم کو جب خود ہی پہ بن آئی

کتنے ہیں وہ ظالم جو دل توڑ کے ہنستے ہیں
یہ چوٹ مرے دل نے دنیا میں بہت کھائی

ہوتی تھی مجھے خواہش دنیا کی ہر اک شے کی
عادت یہ مرے دل سے کس چیز نے چھڑوائی

نازاں نہ کبھی اپنے تقوٰی پہ ہو اے زاہد
تجھ سے تو یہ پابندی خودحق نے ہے کروائی

ہستی کے سمندر میں کیا راز ہے پوشیدہ
یہ بات ہی کیا جانے ساحل کا تماشائی

افلاک و زمیں میں کیا اسرارِ الٰہی ہیں
یہ بات وہ دل جانے جس دل میں ہے بینائی

دوری جو سمندر کی تہہ اور سطح میں ہے
ساحل پہ جو بیٹھا ہے کیا جانے یہ گہرائی

اے عشق ہے کیوں تیری فطرت ہی جنوں پَرور
تُو جس پہ مُسلّط ہو بن جاتا ہے سودائی

ہے صحت وسکوں جب تک تو عقل وفہم بھی ہے
گر جان پہ بن آئے رہتی نہیں دانائی

اِس دنیا نے مجھ سے جو اچھائی بُرائی کی
وہ میں نے اِسے اپنے اشعار میں لوٹائی

ہے حُسن ترا فطری معصُوم بھی دلکش بھی
کون اِس کو مگر جانے اے لالۂ صحرائی

دُنیا تو دُکھا کر دل خوشیاں ہی مناتی ہے
ہے سوچ بھلا کس کی اِس پر ہے جو پچھتائی

جب رشتۂ اُلفت کو دیکھا تو جلی دُنیا
بد خواہ نے اب دُوری مابین ہے کروائی

دنیا نے تو ناکامی پر مجھ کو دئے طعنے
یوں اِس نے مری ہمّت کو چوٹ ہے پہنچائی

دیکھا نہ تو عدل اور حق دنیا میں نہ ہی شفقت
گر اپنی نظر میں نے ہر سمت ہے دوڑائی
کیوں کھُل کے نہ عدل اور حق کی بات کہے کوئی
حق گوئی کی خاطر جب ہے قوّتِ گویائی
ہر دم ہے فنا رہتی جب تاک ہی میں تیری
اے زندگی تُو پھر بھی کس بات پہ اِترائی
ہو اُس پہ بھروسہ جو برحق بھی ہے ابدی بھی
دنیا کا بھروسہ کیا فانی ہے یہ ہر جائی
جو حُسن حقیقت میں اک حُسن ہے لاثانی
ظاہر کی نہیں وہ تو باطن کی ہے زیبائی
مردانِ خدا کی ہی بس شان ہے عظمت ہے
اوصاف میں ہے اِن کے یہ شان نظر آئی
انجام سبھی کا ہے جی جی کے فنا ہونا
یہ بات تو خود ہم سے ہے موت نے منوائی
اے قادرِ مُطلق اب فریاد مری سُن لے
رو رو کے ہے جب میری آواز بھی بھرّائی
سمجھا میں نہیں پھر کیا دنیا کی حقیقت ہے
کام آتی ہے جب اپنے اعمال کی سچّائی
مانا کہ حسیں ہے گُل پھر کیا ہے کمال اِس کا
تخلیق ہے یہ جس کی ہے اُس کی یہ رعنائی
بس مردِ قلندر کا اُونچا ہے قدو قامت
مجھ کو تو اِسی قد کی تسلیم ہے بالائی

انسان کی دنیا میں پہچان بھی مُشکل ہے
رب جانے بُرا ہے کون اور کس میں ہے اچھائی
ہر شے اِس دنیا کی ہے عارضی و فانی
احوال و حوادث نے یہ بات ہے جتلائی
لگتا ہے غریبوں کی خاطر ہی ہر آفت ہے
اب مارتی اِن کو ہے طوفاں کی یہ مہنگائی
انجام ہے دنیا کا آخر میں فنا ہونا
خود حق نے ازل کے دن یہ بات ہے نپٹائی
انساں کا نہیں اب تو یہ دَور ہے شیطاں کا
مظلوم کی جس میں اب ہوتی نہیں شنوائی
یہ دَور قدیم انساں کا دَور سا لگتا ہے
عملاً جب عدل اور حق کی بات ہے ٹھکرائی
لبنان پہ کابُل پر بغداد پہ حملے ہیں
چنگیز نے پھر اپنی تلوار ہے چمکائی
بدلے میں حقیقت کے گر جھوٹ ہو شعروں میں
ہے کون تخیّل کی کہتا اِسے اُونچائی
کب آئے اجل کس کو وہ وقت مُقرّر ہے
پھر کس نے کسے اِس میں مہلت کبھی دلوائی
ملتی ہے جنہیں کُرسی بنتے وہ لُٹیرے ہیں
یہ لُوٹ سیاست ہے اِس دَور میں کہلائی
طاری جو بشیؔر پہ تھی وہ کیفیت اک ایسی
کرنی ہی پڑی اِس کو پھر باد یہ پیمائی

(۳۶)

بیتی جو مجھ پہ اب تک اُس سے یہ میں نے جانا
دُنیا میں تیر کھا کے پڑتا ہے مُسکرانا
ہے سنگدل یہ دنیا بے درد ہے زمانہ
کس کو سُنائیں جا کر ہم درد کا فسانہ
تقدیر لکھنے والے بگڑی بھی اب بنا دے
تجھ سے مری گزارش ہے یہ مؤدّبانہ
آلام و غم نے ہم کو جب گھیر ہی لیا ہے
پھر کیا ہے آہ بھرنا آنسو بھی کیوں بہانا
ملتا ہوں سب سے شفقت اور پیار سے میں ہردم
مقصد مرا ہے نفرت کو دھر سے مٹانا
میثاق کا جو وعدہ ہم نے کیا تھا حق سے
بہتر ہے اب یہ وعدہ ہر حال میں نبھانا
حق نُور ہے دلوں کا آنکھوں کی روشنی بھی
انکار حق سے کرنا ہے طور جاہلانہ
معشوقہ نفس کی ہے دنیائے دُوں ازل سے
زاہد! بہت ہے مُشکل دنیا سے بچ کے جانا

مخلوق کو جو اپنا سمجھے وہ بے خبر ہے
مخلوق سب کی خاطر حق کا ہے تازیانہ
ہے پیار بانٹنے سے ملتا سکون دل کو
نفرت سے بچ گیا وہ جس نے یہ راز جانا
بس پیار ہی سے دنیا آباد و پُرسکوں ہے
سب سے بڑی ہے رحمت یہ پیار کا ترانہ
وہ لوگ اب نہیں ہیں ہمدرد تھے جو میرے
ہے غیر اب یہ دنیا بے درد ہے زمانہ
کوئی نہیں ہے ایسا سمجھے جو درد میرا
بے سُود ہے کسی کو اب حالِ دل سُنانا
میں درد اپنے دل کا شعروں میں لکھ رہا ہوں
مقصد نہیں ہے میرا کچھ اس سے داد پانا
طاری ہے مجھ پہ فُرقت میں نزع کی سی حالت
کہتے ہو پھر بھی لازم ہے تم کو آزمانا
محبوب ہے وہ بنتا بے شک ہر ایک دل کا
برتاؤ جس کا ہوتا سب سے ہے مُشفقانہ
انجام اُس کا ہوتا ہی پھر ہے رُوسیاہی
جس کے ضمیر و دِل نے حق بات کو نہ مانا
عصمت فروشیوں کا اب روز کا تماشہ
ہے ننگی عورتوں کا ٹی وی پہ ناچ گانا

بدکاریوں سے ہوتا برباد جب ہے کوئی
پھر کیوں نہ اُس کی کوشش ہو اِن سے باز آنا
اپنی سرشت کرتی مجبور ہے کسی کو
بد طینتوں کا شیوہ جلنا ہے اور جلانا
کر کے بُرائی ہوتے ہیں لوگ اِس سے مُنکر
ہے طور اِن کا نزلہ اوروں پہ ہی گرانا
لوگوں سے کر کے وعدے ہوتے ہو اِن سے مُنکر
اے لیڈرو سیاست ہے کیا یہ شاطرانہ
جب نیکیوں سے ملتا دل کو سکون بھی ہے
پھر کیوں نہ اِن میں کوشش اپنی ہو مُخلصانہ
جو موج ہیں مناتے کیا جانیں درد میرا
بے فائدہ ہے اِن کو رُودادِ غم سُنانا
حیرت ہے دل کسی کا ایسا بھی ہے جہاں میں
دل توڑ کر ہے شیوہ جس کا خوشی منانا
تُونے تو ہر طریقے سے دل مرا جلایا
مقصد ہے تیرا ہر دم میرا ہی دل دُکھانا
ناوک فگن ہے تُو اور چھلنی جگر ہے میرا
کتنا کرم ہے تیرا احسان میں نے مانا
پیدا کیا ہے جس نے واقف وہ حال کا ہے
بس اک یہی یقیں تو ہمّت کا ہے خزانہ

جھوٹے تخیّلوں کا ہرگز نہیں میں قائل
مجھ کو تو بس حقیقت کو سامنے ہے لانا
تب تک چلے گی دنیا آباد بھی رہے گی
جب تک دلوں میں باہم شفقت ہے مُخلصانہ
غارت سکون ہوگا پھر کیوں نہ اِس جہاں کا
لوگوں کا جب رویّہ باہم ہو دُشمنانہ
میں پیار بانٹتا ہوں سارے معاشرے میں
مقصد مرا ہے شفقت کی بزم کو سجانا
کافی نہیں بُرائی کو ہم بُرا سمجھ لیں
افضل تو اِس کو اپنی قُوّت سے ہے مٹانا
دِل کے سِوا نہ پایا تیرا پتہ کہیں بھی
اِس میں اگرچہ ساری دنیا کو میں نے چھانا
تیری تو اک جھلک کو دنیا ترس رہی ہے
آتا ہے دلبروں کو کیوں اس طرح ستانا
شکوے گلے سے بڑھتی ہے اور بھی مصیبت
کیسے کہیں کسی سے تقدیر کا فسانہ
یُوں راہِ حق میں منزل ملتی نہیں کسی کو
آئین اِس کا اپنی ہستی کو ہے مٹانا
میں نے تو عُمر بھر ہے دیکھا یہ اِس جہاں میں
ہر صاحبِ عمل کا مُشتاق ہے زمانہ

ٹوٹا ہی جب مرا دل ہے اے جہان والو
پھر کیوں اسے بناتے ہو تم بھی اب نشانہ

اس درد پر ہے روتے رہنے سے فائدہ کیا
یہ درد تو ہے اے دل اب مدّتوں پُرانا

مادہ پرست ہی جب ہے بن چکی یہ دُنیا
انسانیت کی باتیں پھر کیا اسے بتانا

دنیا میں جو گزرتی ہے عام آدمی پر
میں چاہتا ہوں اپنے شعروں میں وہ سُنانا

جس کا سکوں ہو غارت گھر میں بھی ہے وہ بے گھر
کُنبے میں اپنے بھی وہ بے کس ہے بے ٹھکانہ

دنیا ہے ایک طوفاں سب جس میں بہہ گئے ہیں
جس میں ہلاکتیں ہوں کیا اس سے دل لگانا

صیّاد اب یہ کہتا ہے طائرِ قفس سے
ہے جل چُکا چمن بھی تیرا بھی آشیانہ

تقدیر چھین لے گر محبوب چیز ہم سے
شکوے ہیں کس لئے پھر ماتم ہے کیوں منانا

جو راستہ ہلاکت سے ہم کو ہے بچاتا
اس سے بھٹکنا خود کو ہے آگ میں گرانا

زخمی دلوں پہ شفقت کا ہم لگائیں مرہم
یہ بہتریں عمل ہے، نیکی ہو گر کمانا

کرتی ہے ختم ایماں کو نفس کی اطاعت
یہ راز چاہتا ہوں دنیا کو میں بتانا
ہے نفس کی اطاعت بربادی و ہلاکت
کتنا ہے خود کو اِس سے پھر لازمی بچانا
تقدیر، خیر اور شر سب ہاتھ میں ہے جس کے
کتنا اہم ہے اس سے پھر رابطہ بڑھانا
اب کیا وہ شاعری ہے یا ہے زمانہ سازی
ہو جس میں یا وہ گوئی ایسی غزل سُنانا
ہے اقتدار والوں کا قوم پر یہ احساں
جھوٹے بیان دے کر احمق اِسے بنانا
امّارہ نفس قابض دل پر ہو اور نظر پر
دو دن کی زندگی پھر لگتی ہے جاودانہ
کرتے ہیں لوگ دل سے دُنیا میں اُس کی عزّت
جس کا سلُوک سب سے ہوتا ہے مُشفقانہ
فطرت سے اپنی سب کو دُشمن ہے وہ بناتا
برتاوٗ ہے جو کرتا سب سے مُخالفانہ
اپنے رویّہ سے جو اوروں کا دل دُکھائے
ہوتا سلوک پھر ہے اُس سے بھی دُشمنانہ
جیسا ہے کوئی بوتا ویسا ہی کاٹتا ہے
قانون ہے یہ قدرت کا سب پہ مُنصفانہ

کرنا ہو گر ہمیں تو یہ بہتریں عمل ہے
ٹوٹے دلوں کو اپنی شفقت سے ہے لُبھانا

دنیا کی اے بہارو اب اپنی راہ چل دو
بیزار ہم ہیں اب کیا جلوہ ہمیں دکھانا

اے خالقِ جہاں اب کچھ رحم بھی ہو ہم پر
فریاد ہے ہماری تجھ سے یہ عاجزانہ

کرتا ہے نفس اپنے کا تذکیہ جو ہردم
فکر و خیال اُس کا بنتا ہے مُومنانہ

جب دل کسی کا پیاسا تحصیل علم کا ہو
پھر سوچ بھی ہے اُس کی ہوتی مُحقِّقانہ

جدّ و جہد سے جو اِس دنیا میں بھاگتے ہیں
ہے نا مُراد اُن کی فطرت ہی بُزدلانہ

انصاف ہیں نہ کرتے جو اقتدار پا کر
ہوتی صلاحیت ہے اُن میں نہ قائدانہ

اے کاش اقتدار و منصب اُسی کو ملتا
دنیا میں سوچ ہوتی جس کی ہے مُنصفانہ

ہو جارج بُش کہ شیرُ وں، ٹونی بلیر ہو قاتل
ہے عدل یہ کہ اِن کو ہے دار پر چڑھانا

بُغض و حسد بُرائی میں پھر یہ کیوں بسر ہو
دو دن کی زندگی جو ہے یہ مُسافرانہ

کیا یہ مری غزل ہے یا پند و وعظ ہے یہ
جیسے خطاب کوئی کرتا ہو واعظانہ
لیکن وہ شاعری کیا گمراہ جو ہے کرتی
شعروں میں بھی ہے سیدھی ہی راہ جب دکھانا
جس گھر کے لوگ باہم شفقت سے مُتّحد ہوں
سمجھو خدا کی رحمت کا ہے وہ آشیانہ
افرادِ خانہ میں جب باہم ہو بُغض و نفرت
پھر قیدِ بامُشقّت کا ہے وہ جیلخانہ
ایمان کھو کے ننگا جو ہو نگاہِ حق میں
بے سُود پھر ہے کپڑے پہنے وہ فاخرانہ
سچّائی کو یہ دنیا کرتی نہیں گوارا
میں سچ اگر کہوں تو ناراض ہو زمانہ
جب ہوں نہ اہلِ خانہ اپنے بڑوں کے تابع
وہ گھر نہیں حقیقت میں ہے یتیم خانہ
دنیا نے ظُلم کے سب برسائے تیر ہم پر
چھلنی جگر کو اپنے دیکھا ہے صابرانہ
اے آسمان تیری بجلی بھی اِس جہاں میں
چُنتی ہے بیکسوں کا ہی کیوں غریب خانہ
ہو سب کے ساتھ اپنا ایسا سلُوک ہر دم
انداز مُشفقانہ برتاوٴ مُحسنانہ

دنیا میں ہم پہ ہوتا ہے فرض یہ بھی عائد
گمراہ جو ہو سیدھا رستہ اُسے دکھانا
وہ زندگی کا ہے اور انسانیت کا دُشمن
برتاؤ جس کا سب سے ہوتا ہے مُوذیانہ
صالح عمل ہو جس کا کردار صاف واعلیٰ
ہوتی ہے سوچ بھی پھر اُس کی مُدبّرانہ
اِس شاعری میں مقصد میرا یہی ہے اے دل
حق کی ہو ترجمانی غزلوں کا ہے بہانہ
میں سہہ نہیں ہوں سکتا بدخوئی اور بُرائی
میرا بیاں جبھی ہے شعروں میں ناقدانہ
اے کاش اِس جہاں کا ایسا نظام ہو اب
حقدار جس میں پائے حق اپنا عادلانہ
اشعار میں ہے میرے ہوتی بیاں حقیقت
خالی خیال ہوتا ہے یہ نہ شاعرانہ
دونوں جہان کی وہ پاتا ہے کامرانی
یہ زندگی گزرتی جس کی ہے صالحانہ
چاہیں فلاح گر ہم علم و عمل ہے لازم
اور نفس سے پھر اپنا دامن بھی ہے چھُڑانا
کر پائے نفس کیوں شرک اعمال میں ہمارے
شیطاں کے ایسے فتنے سے خود کو ہے بچانا

نیّت ہو نیک اپنی ہر کام نیک اپنا
یہ لائحۂ عمل ہو دنیا میں عاقلانہ
دنیا میں بس ہمارا طرزِ عمل یہی ہو
کردار مُومنانہ گفتار مُخلصانہ
ناراض ہم جو اکثر ہوتے ہیں دوسروں پر
شاید یہ اپنی غلطی ہی کا ہوشاخسانہ
ہم کو دکھائی دیتیں اپنی نہ خامیاں ہیں
اوروں کی نکتہ چینی کرتے ہیں شاطرانہ
پہچان لے جو خود کو اور اپنی خامیوں کو
کرتا ہے بند اوروں پر وہ زباں چلانا
دنیا میں عقل بھی ہے اور علم بھی بہر سُو
لیکن ہے خود شناسی مفقوُد عاکفانہ
ابلیس کا ہی نائب یہ نفس ہے ہمارا
اپنی ہے یہ حماقت دھوکے میں اِس کے آنا
سب سے بڑا تو بُت ہے یہ نفس ہی جہاں میں
سب جس کو پُوجتے ہیں روزانہ اور شبانہ
بنتے ہیں پھر مُوحدِّ یہ نفس کے پُجاری
توحید کا یہ دعوٰی کرتے ہیں کاذبانہ
آتا نہیں نظر ہے اِن کو یہ شرک اپنا
مُشرک یہ دُوسروں کو کہتے ہیں مُجرمانہ

توحید کا یہ دعوٰی آساں نہیں جہاں میں
اِس کے لئے پھر اپنی ہستی کو ہے مٹانا
کہتے عوام بھی ہیں اِس نفس کو جہنم
ہیں نوش و خُور کو کہتے دوزخ کا کارخانہ
جو بھی کہاوتیں ہیں لوگوں کی اِس جہاں میں
سچّائی اِن سبھی میں ہوتی ہے عاقلانہ
دیکھا یہ میں نے لوگوں کی اِن کہاوتوں میں
پوشیدہ راز ہوتے بے شک ہیں عارفانہ
انصاف جب نہیں ہے دیتی کسی کو دُنیا
کرتا ہے خودکُشی وہ یا کام باغیانہ
ہم جارج بُش کہیں یا چنگیزِ وقت اِس کو
دُنیا پہ جس کا مقصد دہشت ہے اب بٹھانا
امریکہ اِس کے ساتھی ہیں وقت کے ہلاکُو
قوموں پہ کام اِن کا اب دھونس ہے جمانا
اپنا مفاد ہی بس پیشِ نظر ہے اِن کو
گر عدل کا بھی خوں ہو اِس کے لئے کرانا
امن و امان گر ہے اب چاہتی یہ دُنیا
پھر عدل اور حق کا ہے بوجھ بھی اُٹھانا
انساں کے اِس جہاں میں آنے کا کیا ہے مقصد
ظاہر ہے وہ تو نیکی یا ہے بدی کمانا

بہتر تھا اِس جہاں میں گر عدل وحق ہی ہوتا
اور کام سب کا ہوتا بس ظُلم کو مٹانا
یہ جارج بُش تو اب بھی کہتا ہے خود کو عادل
مکّار کا یہ دُگنا ہے جُرم دُشمنانہ
جو ظُلم کے چلاتے ہیں تیر دُوسروں پر
اک دن وہ خود بھی اِن کا بنتے ہیں پھر نشانہ
کڑوی حقیقتیں جو کہتا بشیؔر ہے تُو
کیا متّفق بھی اِن سے ہوتا ہے یہ زمانہ
لازم بشیؔر اپنے جذبات پر ہے قابُو
کیوں حال درد وغم کا دنیا کو ہے سُنانا

☆☆☆

(۳۷)

دل کھو گیا ہے ایسے نازُک خیالیوں میں
گُلشن میں جیسے بھونرا ہوتا ہے ڈالیوں میں

سمجھا چُکا ہوں کتنا اے نفس تجھ کو اب تک
حد سے بڑھا مگر تُو بے اعتدالیوں میں

دل پر ہے کیا گزرتی محرومیت پہ اپنی
ہو جب کہ رزق کیا کیا اوروں کی تھالیوں میں

ہوتے ہیں جو مُعطّل اپنی خطا کے باعث
لگتا ہی وقت پھر ہے اُن کی بحالیوں میں

اے آسمان والے مجھ پر بھی اب کرم ہو
میں بھی ہوں اک سوالی تیرے سوالیوں میں

دل حوض کی طرح ہے جس میں حواس خمسہ
لاتے ہیں آبِ دُنیا جیسے کہ نالیوں میں

ہوتی ہیں اُن کے رُخ اور میری نظر میں حائل
یہ کیسی خاصیت ہے چلمن کی جالیوں میں

گلشن کی اُن پہ کتنی عائد ہے ذمّہ داری
احساس یہ بہت کم ہوتا ہے مالیوں میں
جو اقتدار میں ہیں رہبر نما یہ رہزن
ہوتا یہاں سواگت اِن کا ہے تالیوں میں
باراں ہے کیسی رحمت اندازہ اِس کا ہم کو
ہوتا ہے اِس جہاں میں بس خشک سالیوں میں
دھراتی خود کو ایسے تاریخ ہے جہاں میں
جیسے قدیم مے ہو اب تازہ پیالیوں میں
اچھا عمل ہو اچھا علم و ہُنر ہو اپنا
اعلیٰ بشیرؔ ہے یہ سب خوش خِصالیوں میں

☆☆☆

(۳۸)

کہاں سے آئے ہیں نغمے عجب یہ دل کے تاروں میں
کہ چھیڑو تو یہ جیسے گنگناتے ہیں بہاروں میں

عجب شہکار فطرت کا ہے انساں کا دل و باطن
جو ہے برباد ہوتا نفس کے بیجا شُعاروں میں

مجھے تکلیف ہے شعروں میں جھوٹا گر تخیُّل ہو
نہ چلتا کام ہے تک بندیوں سے اِن اِداروں میں

نہ کیوں ہم اپنے شعروں میں حقیقت ہی کریں ظاہر
ضمیر اپنا تو ہوتا مُطمئن ہے خارزاروں میں

میں شعروں میں تو کہتا صاف لفظوں میں ہوں سچّائی
نہیں کرتا ہوں میں باتیں کنایوں اِستعاروں میں

حقیقت کو نہ مانے یہ جہاں پھر بھی وہ روشن ہے
کہ جیسے ماہِ کامل ہو درخشندہ ستاروں میں

جہاں میں حُسنِ فطرت ہے بڑا انعام قُدرت کا
ہے رُوحانی سکوں اِن لالہ زاروں آبشاروں میں

گُل و سبزہ چمن بادِ بہاراں نغمہ خواں طائر
یہ کیسی دلکشی ہے جوئباروں سبزہ زاروں میں

نہاں آنکھوں کی ٹھنڈک جان و دل کی اِن میں راحت ہے
کشش ہے کیا عجب ہوتی حسیں اِن مرغزاروں میں

ہے خلوت جانفزا دشت و دَمن کوہ و بیاباں کی
سکوں پرور ہے کیا یہ خامشی اِن کوہساروں میں

نہ جانے دل ہیں کیوں مسحُور ہوتے حُسنِ فطرت سے
ہے فرحت جان و دل کی جوئباروں لالہ زاروں میں

عجب سی اک کشش ہے حُسنِ فطرت میں نہاں اے دل!
تجھے ملتا سکوں ہے گُلبنوں میں جوئباروں میں

ہے جیسے حُسنِ فطرت پاک اور معصُوم و جاں پَرور
مرا باطن بھی ایسا کاش ہوتا اِن بہاروں میں

نہ جس کے دل میں کینہ اور حسد بُغض و تکبُّر ہو
جہاں میں کوئی ایسا ایک ہوتا ہے ہزاروں میں

شبِ ہجراں ہر اک شے پر قیامت بن کے آتی ہے
کہ میری ہی طرح ہے زرد رُوئی چاند تاروں میں

عنایت مہربانی شکریہ تیرا ہے اے فطرت
کہ انساں ہی بڑا سب سے ہے تیرے شاہکاروں میں

جو اِس دنیائے دُوں میں عدلِ وحق پر جان دیتے ہیں
ہیں بے مثل و اَمر سب وہ حقیقی شہسواروں میں

تڑپنا اور جلنا ہی لکھا ہے اِن کی قسمت میں
کسی نے کب سکوں دیکھا غمِ ہجراں کے ماروں میں

وہ میرا حال پُوچھے تو مری جانب سے کہہ دینا
مجھے ٹھکرانے والے میں ہوں تیرے دلفگاروں میں
فقط ہو فلسفہ غزلوں میں یہ اچھا نہیں لگتا
کہیں اِس سے نہ پھیلے بے دلی اِن گلعذاروں میں
سفینے وہ بھی ہیں طوفاں ہے لاتا جن کو ساحِل پر!
وہ بیچارے بھی ہیں جوڈوب جاتے ہیں کناروں میں
ہے سب مخلوق بے بس خالقِ تقدیر کے آگے
ہے سب کا فیصلہ ہوتا مُقدّر کے اشاروں میں
ہے دیوانہ چکور اِس چاند کا نرگس کا بھنورا ہے
یہ پروانہ ازل سے شمع کے ہے جاں نثاروں میں
پتنگا اور بھنورا دیکھنے میں چھوٹے کیڑے ہیں
تعجُبُ ہے کہاں سے عشق آیا اِن بچاروں میں
ہے جب تقدیر ہی سب کچھ تو پھر میری خطا کیا ہے
سزا پھر کیوں ملے مجھ کو گناہوں کے خساروں میں
مجھے پیدا کیا تُونے کرم ہوکیوں نہ پھر مجھ پر
کہ جب میں بھی ہوں اے مالک ترے ہی خاکساروں میں
ہے خدمت ایک عظمت اور تکبُر ایک لعنت ہے
تکبُر حاکموں میں کیوں ہو اور سرمایہ داروں میں
ہم ایٹم بم بنائیں گے مگر روکیں گے اوروں کو
بڑا نعرہ یہی ہے آج امریکہ کے نعروں میں

ہے امریکہ کی لونڈی انجمن اقوامِ متحدہ
جبھی ظالم ادارہ یہ بنا ہے سب اداروں میں
ہے امریکہ کی شہ پر ناچتی اقوام مُتحدّہ
سمجھتی جو بقا اپنی ہے آقا کے اشاروں میں
یہ امریکہ و یورپ سب ہیں اسرائیل کے حامی
معاون ہیں یہ اِس ظالم کے بدتر نابکاروں میں
فقط ہم ایٹمی طاقت ہیں اوروں کا نہیں یہ حق
جو یہ جُرأت کرے ڈوبے گا وہ طوفاں کی دھاروں میں
یہ چنگیزی جنوں ہے آج امریکہ و یُورپ کا
جو کرتے قبضہ ہیں آزاد ملکوں پر خُماروں میں
یہ ننگی جارحیّت کر رہے ہیں آج قوموں پر
غُلام اپنا بناتے ہیں یہ اِن کو کارزاروں میں
یہ امریکہ اور اِس کے سارے حوّاری یہ کہتے ہیں
ہیں سب قومیں ہمارے اب غلاموں داغداروں میں
سُنیں اب جارج بُش ٹونی بلیر اور اُن کے حوّاری
کہ بیزار اُن سے اُن کی قوم بھی ہے اب خُماروں میں
جو کرتے امن کی باتیں ہیں اور انصاف کا دعوٰی
وہی ہیں سب سے بڑھ کر ظالموں میں شعلہ باروں میں
ہیں کرتے امن ہی کے نام پر ملکوں پہ جو قبضہ
یہ ظاہر ہے وہی جارح ہیں بدتر فتنہ کاروں میں

جہنّم زار جب یہ زندگی آلام و غم میں ہو
ہے قدرت دل کو رکھتی خیر کے اُمید واروں میں

ہمارا درد و غم میں ہے بھروسہ اپنے خالق پر
وہی تو اک سہارا ہے ہمیشہ بے سہاروں میں

ہے میری التجا اے خالق ارض و سما تُجھ سے
مرا بھی نام لکھ لے عدل وحق کے جاں سپاروں میں

یہی میری تمنّا ہے یہی دل کا بڑا ارماں
اُٹھائے مجھ کو مولا حشر میں ایمانداروں میں

مجھے اہلِ سُخن کہہ دیں ہے اس میں کیا خطا میری
غزل میں حق پرستی ہے اگر میرے شُعاروں میں

حقیقت موت کی ہر دم ہے رہتی جن کی نظروں میں
وہی ہیں عاقل و دانا وہی ہیں پختہ کاروں میں

کبھی حق پر چلیں ہم اور گاہے چھوڑ دیں اِس کو
نہیں یہ طور آتا حق پرستی کے شُعاروں میں

خصائل میں تو اِس دنیائے دُوں کے یہ بھی شامل ہے
کہ یہ دل توڑ دیتی ہے اُمیدوں اعتباروں میں

نہیں آسان ہوتا ہے کسی مقصد کو پالینا
گلوں تک وہ پہنچتا ہے کہ جو گھائل ہو خاروں میں

جو مضبوطی سے پکڑے حق کی رسّی اپنے ہاتھوں سے
ہے لاتا حق اُسے اپنے تحفّظ کے حِصاروں میں

عنایت ہے یہ اُس کی جو ہے اس کا خالق و مالک
ہے اپنے حُسن پر کیوں خود پسندی ماہ پاروں میں
حقیقت کیا ہے اِس دُنیائے دُوں کی اصل معنوں میں
اگر یہ دیکھنا ہو جا کے پھر دیکھو مزاروں میں
کسی بگڑی کے بننے کی نہ جب اُمید ہو کوئی
نہ کیوں جینا ہی پھر مُشکل ہو ایسے انتظاروں میں
بلا سے اُس کی اِس دنیا میں کوئی پُرسکوں بھی ہو
جو بیچارہ سدا جلتا رہا ہو بے قراروں میں
خطا اپنی پہ لرزاں ہوں مجھے اب بخش دے مولا
کھڑا دربار میں تیرے ہوں میں بھی شرمساروں میں
ہے بیگانی یہ دنیا غمزدوں کا حال کیا جانے
یہاں ہے کون ایسا جو ہو اِن کے غمگساروں میں
ہے عائد اِس سے ہوتی عدل وحق کی ذمّہ داری بھی
کسی کو ہوش رہتا کب ہے اس کا اقتداروں میں
جو چلتے مُخلصانہ عدل و حق کے راستے پر ہیں
بھٹکتے پھر نہیں ہیں وہ ہوس کے رہگذاروں میں
نشہ ہوتا ہے جن کو حکمرانی کا وہ کیا جانیں
کہ وہ شامل ہوئے ہیں عدل وحق کے ذمّہ داروں میں
سزا دیتے ہیں رشوت خور لوگوں کو وہ حاکم اب
جو خود ہیں سب سے بڑھ کر اِس خطا کے نابکاروں میں

کسی فرمانروا میں اب کہاں اوصاف ہونگے وہ
جو تھے نوشیرواں عادل کے جیسے تاجداروں میں
ہے کہتی مرحبا تاریخِ دنیا آج بھی ان کو
کہ جو فرمانروا تھے عدل و حق کے شہسواروں میں
کسی بھی قوم کے قومی مشن کی ہو تباہی جب
تو پُوری قوم پھر ہوتی ہے جیسے سوگواروں میں
بڑا ہی صاحبِ قسمت ہے اور ہے قابلِ عزّت
جو اپنی نیکی و کردار سے ہے نامداروں میں
یقیناً صاحبِ ایمان ہے وہ نیک خُو صالح
کہ جو خوفِ خدا سے خود کو سمجھے خاکساروں میں
میں نیکی کی یہ باتیں اس لئے غزلوں میں لکھتا ہوں
کہ ہو جائے اضافہ میری نیکی کے شماروں میں
گزرتی کیا غریبوں بے نواؤں بے کسوں پہ ہے
کبھی احساس یہ دیکھا نہیں سرمایہ داروں میں
فرائض کو ادا کرنا ہے خدمت جس میں عظمت ہے
مگر احساس ہے اس کا بہت کم اہلِ کاروں میں
حماقت ہی سے ہم ہیں عارضی کو دائمی سمجھے
وگرنہ زندگی اپنی کہاں ہے پائداروں میں
ضمیر اپنے کا اور دل کا تحفُّظ ہے بہت لازم
کہیں یہ لُٹ نہ جائے اِس جہاں کے خلفشاروں میں
بشیرؔ عشقِ حقیقی کا یہی احسان کیا کم ہے
طفیل اِس کے ہے شامل کوئی ہوتا رازداروں میں

(۳۹)

تری بے رُخی یہ نہیں صنم مرے دردِ دل کا پیام ہے
کہ جلا ازل ہی سے ہجر میں دلِ عاشقانِ کرام ہے

یہ رویّہ بھی ہے عجیب سا نہ سلام ہے نہ کلام ہے
یہ بھی اِس جہاں کی ستمگری کا جفا شعار نظام ہے

کوئی دل جو عشق میں کھوگیا جسے اپنا ہوش نہ کچھ رہا
جو وجُودِ یار میں ضم ہوا تو یہ بے خودی کا مقام ہے

جو اکیلا دل کو میں چھوڑ دوں تو بھٹک ہی جائیگا راہ سے
میں فلاح پاؤں جو میرے ہاتھ میں اپنے دل کی زِمام ہے

جو رہا ہو نفس کے جال سے ملی اصل میں اُسے حُرّیت
ہے نگاہِ حق میں غلام وہ کہ جو خواہشوں کا غلام ہے

مجھے وہ شراب نہ چاہئے کہ خباثتوں کی جو اصل ہے
مرے کام کا مرے ساقیا مئے معرفت کا ہی جام ہے

کوئی راہِ حق میں جو چل پڑے تو قدم قدم پہ ہے امتحاں
جو مٹانا خود کو ہو دوستو بڑے حوصلے کا یہ کام ہے

نہیں اس سے بڑھ کے ہے کوئی غم نہیں اس طرح کا کوئی ستم
جو تباہیوں میں پھنسائے خوائشِ نفس کا ہی وہ دام ہے

کوئی دیندار جچا کبھی نہ مری نگاہ میں آج تک
وہ جو نفس اپنے سے ہو جُدا وہی زاہدوں کا امام ہے

نہ بنایا جس نے الہٰ اپنے ہی نفس کو ہو جہان میں
ہے وہی کہ جس کے حضور میں تہہِ دل سے میرا اسلام ہے

ہے مری نظر میں وہی حسیں جو ہے نیک نیّت وصاف دل
نہیں خُوئے بد کا ہے نام حُسن یہ نیک خُوئی کا نام ہے

کوئی پورے عزم سے راہِ حق میں جو سرفروش کی مثل ہو
تو ہے منزل اس سے قریب تر کہ وہ دُور چند ہی گام ہے

میں یہ سب سے کہتا ہوں دوست بن کے کبھی کسی کو دغا نہ دو
کہ سزائے سخت کا مُستحق یہی جُرم ہے یہی کام ہے

جو ہے اقتدار میں آتا پھر ہے وہ بن ہی جاتا اَرب پتی
ہے مگر وہ کہتا سٹیج پر کہ وہ خیر خواہِ عوام ہے

کیا یہ بے بسوں کی ہے زندگی کہ مُسلّط اِن ہی پہ ہیں سبھی
ہے یہ زندگی ہی عذاب کی یہ بڑے ہی دُکھ کا مقام ہے

جو مصائب وغم و درد مجھ کو ہر ایک سمت سے گھیر لیں
مجھے غم نہیں ہے مرے رفیق کہ لب پہ تیرا ہی نام ہے

غم ودرد سے ہوئے سب رہا ہے چمن دلوں کا بھی کِھل اُٹھا
ہے عجب سا آج یہ ماجرا ہُوا فیض اُن کا جو عام ہے

یہ جو مُختَصَر سی ہے زندگی نہیں مجھ کو اِس سے ہے دل لگی
ہے حقیقتاً وہی زندگی جسے بعدِ مرگ دوام ہے

جو کوئی کہے کہ ہے ''خونِ مُردُم'' حرام اور یہ مے نہیں
وہ شراب کا ہے وکیل کیوں یہ پلید بھی تو حرام ہے
غم و درد کا جو ہو سامنا تو بلند پھر رہے حوصلہ
بڑا پُر خطر ہے یہ مرحلہ کہ مصیبتوں کی یہ شام ہے
ہیں یہ وعظ خوان جو کہتے اس کے خلاف کرتے عمل ہیں یہ
ہوئی بد دلی ہے جو اس سے برکتِ واعظینِ کرام ہے
ہے یہ تجربہ کہ ہلاکتوں سے بچاؤ عقل ہے اور عمل
ذرا احتیاط سے وہ چلے جو پہنچ چکا لبِ بام ہے
کوئی مُدّعائے حیات تک ہو پہنچ چُکا جو حقیقتاً
وہی پھر ہے اصل میں زندہ دل ہے وہی جو تازہ مشام ہے
یہ جہاں ہے ظلمتِ شب کی مِثل جو ضد ہے نُور و نگاہ کی
ہے فقط یہ مردِ خدا جو اِس میں مثالِ ماہِ تمام ہے
شبِ غم شدید و سیاہ ہے کوئی انتظام تو چاہیے
وہ دیا نہیں ہے رفیقِ شب جو بُجھا بُجھا سرِ شام ہے
کوئی مُدّعائے حیات مجھ سے جو پُوچھ لے تو میں یہ کہوں
کہ عمل وہ نیک ہے معرفت ہے نہ شرب ہے نہ طعام ہے
بڑی خامشی سے گزر رہا ہے بشیرؔ وقت جو تیز تر
ہے یہ زندگی ہی عدم کی سمت جو خود بھی محوِ خرام ہے

☆☆☆

(۴۰)

غم و درد میں یہ جینا ہمیں اب نہیں گوارا
کہ ہے زندگی کو ہم نے اسی حال میں گزارا
ہمیں زندگی دکھاتی ہے جہاں میں یہ نظارہ
کہ جگر کبھی ہے چھلنی کبھی دل ہے پارہ پارہ
یہ بتاؤ کیا جئے وہ اُسے کون دے سہارا
جسے دوستوں نے لُوٹا جسے دُشمنوں نے مارا
ہے وہ زندگی میں تنہا جسے آفتوں نے مارا
کہ ہے سنگدل یہ دنیا جسے درد میں پُکارا
یہ جہاں ہے اپنی مستی میں اسے نہیں یہ پروا
ہوا کون غرقِ دریا کسے مل گیا کنارا
میں خوشی کی بات دنیا کو بتاؤں بھی تو کیسے
غم و درد نے کیا ہے مرے دل کو بے سہارا
جو گزر رہی ہے ہم پر وہ تو ہم ہی جانتے ہیں
نہیں جانتی ہے دنیا ہے یہ حال کیا ہمارا
میں کسی کو دوش کیا دوں کروں کس کی میں شکایت
کہ ہے گردشوں میں اپنے ہی نصیب کا ستارہ

نظر آ رہی ہے دریا میں جو ڈوبتی کوئی شے
یہ کسی کا ہے سفینہ جو بھنور میں ہے اُتارا
کبھی زندگی کی کشتی کو ہے گھیرتا جو طوفاں
ہے یہ پھر مُقدّر اِس کا کہ ملے اسے کنارا
ہیں یہ بے بس اور عاجز ہو وہ خلق یا ہو دنیا
ہے مُقدّر اِن پہ قابض جو ازل کا ہے اِجارہ
ہے مبارک اُن کو روشن کرے چاند جن کی راتیں
کسی غم نصیب کی شب میں نہ چاند ہے نہ تارا
جو ہے اب مری یہ حالت ہے یہ سب تری عنایت
کہ جگر کے پار ہے وہ جو ہے تیر تُو نے مارا
ترا حکم ہے کچھ ایسا جسے ماننا ہے لازم
کہ اسی میں خیریت ہے نہیں اِس میں کوئی چارہ
تھی کبھی ہمیں بھی حاصل وہ تمہاری نظرِ شفقت
وہی کھو گئے ہم ایسے کہ نہ پا سکے دوبارہ
ہوئی ہم سے جو خطا ہے ہمیں اس پہ ہے ندامت
ہمیں اب معاف کردو ہمیں بخش دو خدارا
ہے سفید و نرم پنبہ تو ہے سخت پنبہ دانی
کسی گُلبدن کا جیسے کہ ہو دل ہی سنگِ خارا
ہے یہ سنگ دل کی حالت نہیں اس کے دل میں شفقت
وہ بتائے پھر تو کیسے کہ ہے کوئی اُس کا پیارا

یہ بھی دو جہاں کی خاطر بڑا بہتریں عمل ہے
کہ ہو دشمنوں سے شفقت جو ہو دوست سے مدارا
ہو نتیجہ بھی تو کیا ہو کریں ہم جو دُنیا دُنیا
ہے فنا ہی جب مُقدّر تو ہے اِس پہ کیا اِجارہ
سبھی پیار میں جُٹے ہیں نہیں کوئی اس سے خالی
کہ مِرا ہے کوئی پیارا کوئی آپ کا دُلارا
مجھے تم سے ہے محبت مری جاں فدا ہے تم پر
نہیں تم سے زیادہ کوئی مجھے زندگی میں پیارا
ہے جو حال دل جلوں کا وہ تو جانتی ہے دُنیا
یہی آہ و نالہ کرنا یہی آنسوؤں کی دھارا
یہ جہانِ رنگ و بُو تو ہے نظر کا ایک دھوکہ
نہیں با وفا کسی کا نہ مرا نہ ہے تمہارا
کیا ہے بہتر اپنی خاطر کیا یہ نفس یا وہ مولا
ہے یہ ایک موجِ دریا تو وہ دوسرا کنارا
جو خطا کرے اُسے پھر نہیں بخشتی یہ دُنیا
اگر اُس نے توبہ کر کے ہو عمل کو بھی سُدھارا
میں بناؤں دوست دُشمن کو ہے یہ مری تمنّا
ہے یہ کام میرا دنیا میں یہی ہے مجھ کو پیارا
جو حقیقتاً دو عالم میں ہمارے کام کا ہے
وہ محل ہے نیکیوں کا جو نہ اینٹ ہے نہ گارا

بُری صحبتوں میں پڑ کر ہے بُرا بھی کوئی بنتا
ہے مُبارک اُس کو جس نے کہ ہے خود کو پھر سُدھارا
ہو خطاؤں سے جو ذلّت نہیں چھوڑتی وہ پیچھا
جو کسی نے باز آ کر ہو عمل کو بھی سنوارا
کسی دل کا تصفیہ ہو تو نہ کیوں ہو پھر وہ روشن
جو نجاستوں کو دھو کر اسے خُوب ہو نتھارا
میں یہ حال اپنے دل کا کروں کیوں نہ خود ہی ظاہر
کہ یہی تو زندگی ہے نہیں اس میں کوئی چارہ
جہاں پائے کوئی طاقت وہاں پھر اصول کیسا
یہ وہ شے ہے جس نے انساں کو ہے ظلم پر اُبھارا
جو نہ حل کرے مسائل نہ جو امن دے جہاں کو
ہے اسی کا نام یُو این جو ہے بے اثر دارہ
ہے کہانی زندہ قوموں کی کہانی آگ وخوں کی
کہ اسی سے کامرانی بھی ہے ان کی آشکارا
جو ہیں مُسلم اب ممالک ہم انہیں کُچل ہی دیں گے
ہے یہ مقصد آج مغرب کا یہی ہے اس کا نعرہ
وہ تضاد باطل وحق کی ہے قوّتوں میں یکسر
کہ ازل سے لڑ رہی ہیں جو ہیں آج بھی صف آرا
ہو عوام کے جو حق میں کرے نسل کُش کو ننگا
نہ چھپا ہے اِس رسالے کا ابھی کوئی شمارہ

جو مسائل آج دنیا کو ہیں کر رہے پریشاں
اگر عدل سے وہ حل ہوں نہ کیوں امن ہو دُوبارہ
وہ تباہ کُن مسائل یہ جہاں ہے جن میں اُلجھا
بجُز عدل حل نہ ہوں گے انہیں حل کرو خُدارا
بجُز عدل گر ہوں طاقت ہی سے حل یہ سب مسائل
ہے یہ بے شُبہ تباہی کی طرف ہی پھر اشارہ
ہے کُچل رہی یہ دنیا جو حقوقِ نوعِ انساں
تو یہ کیوں ہے رو رہی اب کہ ہے امن پارہ پارہ
وہ خدائے عدل وحق ہے کہ ہے خود بھی عدل وحق پر
بجُز اِس کے اِس جہاں کا بھی نہیں ہے کوئی چارہ
یہ خُدا ہی کا ہے قانون جو ازل سے چل رہا ہے
کہ ہے ظلم کا بغاوت ہی نتیجہ آشکارا
ہے شکستہ دل ہی خالق کو عزیز تر جہاں میں
وہی وقت اپنا ہے جو غم و درد میں گزارا
نہ کہو کسی کو کچھ بھی یہ تو سب ہے بس مُقدّر
کہ ہے کردۂ الٰہی پہ جہاں میں کس کو یارا
مئے معرفت ہی دنیا میں کمالِ زندگی ہے
کہ یہی تو ہے حقیقت میں جو مے ہے مست کارہ
یہ جہاں ہے جس میں لُٹتے ہیں یہ مال وجان وعزّت
کرے اب وہ کیا کہ لُٹ کر ہے تباہ جو بچارا

ہوئے جو یتیم بچّے ہوئیں بیوہ جو خواتیں
جلے جن کے گھر بھی اُن کا ہے جہاں میں کیا گزارا

یہ تاثّرات دل کے میں لکھوں نہ کیوں غزل میں
کہ یہی تو شاعری ہے جو ہے دل کا درد سارا

مرا دل تو آج گھائل ہوا دیکھ کر یہ منظر
کہ ہے زندگی کی بازی کوئی جیت کر بھی ہارا

ہے بشیؔر تُو جو حق گو ہے تُو کہہ رہا صداقت
نہیں جھوٹ ہم بھی کہتے یہ نہ طَور ہے ہمارا

☆☆☆

(۴۱)

عملی طورزندگی میں پیش آنے والی کچھ اہم سچّائیاں

نہ جیتا جا سکا دنیا کو اب تک جبر و طاقت سے
اگر جیتا گیا اِس کو تو اخلاق و محبت سے
ہے اپنا دل بھی جلتا دوسروں کا دل بھی نفرت سے
سکوں ملتا ہے خود کو بھی تو اوروں کو بھی شفقت سے
جہنّم زندگی بنتی ہے آپس کی عداوت سے
یہی جنت نشاں بنتی ہے شفقت اور محبت سے
جو دیتا ہے سہارا بے کسوں کو اپنی قوّت سے
ہے کرتا شاد اپنے ساتھ اوروں کو بھی راحت سے
اُٹھاتے ہم ہیں دُکھ تو اپنی کرنی ہی کی شامت سے
ہیں وہ بھی نیکیوں میں جو کہ ہیں زندہ مُسرّت سے
جہنّم زار بنتی ہے یہ دنیا اِس خباثت سے
حسد بُغض و عداوت سے غرُور و ظلم و نخوت سے
عمل کا وقت ملتا ہم کو دنیا میں ہے قسمت سے
گنوا دیتے ہیں اس کو ہم مگر اپنی ہی غفلت سے

کئی اقوام نالاں آج تک ہیں بادشاہت سے
یہ دنیا زیرِ باراب بھی ہے فوجی آمریّت سے
نہ ہوتی کامراں ہے قوم آپس کی عداوت سے
ہے اِس کی کامرانی اتّفاق و دردِ ملّت سے
بھلا کیا خوش ہوں ایسے لوگ اوروں کی اِمارت سے
جو دنیا میں پریشاں حال ہیں افلاس وغُربت سے
نہ بیڑا پار ہوتا ہے بُرائی سے رذالت سے
اگر ہوتا ہے تو نیکی شرافت اور صداقت سے
سدا ہوتا ہے پیدا فتنہ و شر ہی جہالت سے
پھر اس کا حل اگر ملتا ہے تو فہم وفراست میں
یہ دنیا کیا ہے جس سے پیار سب کرتے ہیں شدّت سے
مگر آخر اِسی کو چھوڑنا پڑتا ہے حسرت سے
نہیں ممکن کہ عورت جی سکے دنیا میں عزّت سے
نہ جب تک وہ رہے گی پاکدامانی سے عفّت سے
ہے اُن کا بھی تو ہوتا سامنا موت اور مصیبت سے
کہ جو اِس دارِفانی میں ہیں پلتے ناز ونعمت سے
کسی کے پاس جو کچھ ہے تو ہے رب کی عنایت سے
وگرنہ کرہی کیا سکتا ہے انساں اپنی طاقت سے
نہیں مرعوب ہوتا ہوں میں طاقت اور جسامت سے
میں ہوتا بلکہ مُتاثّر ہوں کردار و مُروّت سے

عیاں ہے عظمتِ کردار ہر دل کی عقیدت سے
یہ وہ شے ہے کہ جو ملتی نہیں ہے جاہ و حشمت سے
سکُون و چین کی رحمت نہیں ملتی عداوت سے
اگر ملتی ہے یہ تو بھائی چارہ سے اخوت سے
ہو ظاہر کھوٹ اور بدنیّتی ہی جس کی خصلت سے
تو چھٹکارا ہے لازم ایسے بدخُو کی خباثت سے
نہ شہرت اور حکومت نے کسی کے جاہ و حشمت سے
دلوں کو ہے عقیدت اصل میں کردار و سیرت سے
نہیں میں شاعری میں باز رہ سکتا صداقت سے
کہ میں خود بھی ہوں زخمی ظالموں کی اِس رذالت سے
حقیقت تک نہ پہنچا ہے کوئی محفل سے جلوت سے
اگر اِس تک رسائی ہے تو یکسُوئی سے خلوت سے
نہیں تقدیر بنتی زیرکی سے اور ذہانت سے
یہ بنتی ہے خدا کی مہربانی اور عنایت سے
عیاں جن پر حقیقت ہوگئی نورِ بصیرت سے
وہ دنیا کو ہمیشہ دیکھتے ہیں چشمِ عبرت سے
تفاوت نُور و ظلمت کا عیاں ہے اِن کی صورت سے
حقیقت باطل و حق کی عیاں اِن کے تفاوت سے
نہیں خوش قسمتی دنیا کی نعمت اور دولت سے
یہ ہے بس رب کی خوشنودی سے ایمان و ہدایت سے

ہے خوش شیطان اِس اُمّت کی آپس کی عداوت سے
وہ جلتا ہے ہمارے اتّحاد و ربطِ ملّت سے
کبھی کرتا نہ بدکاری ہے کوئی اپنی فطرت سے
یہ سب ہے نفسِ امّارہ کراتا اپنی خصلت سے
نہ جانے کیا ہو ظاہر اُس کے اندر کی حقیقت سے
کہ جو مسحُور کر لیتا ہے تقریرو خطابت سے
نہ کیوں ہو کامراں دنیا میں وہ اپنی مُروّت سے
جو سب سے پیش آئے دوستی سے اور رفاقت سے
نہیں مقبُولیت ملتی غرورو بُغض و نفرت سے
یہ ملتی ہے تو شفقت اور ہمدردی سے خدمت سے
وہ عزّت جو کہ ہے کردارِ اعلیٰ حُسنِ سیرت سے
نہیں ملتی اِمارت مال و دولت شان وشوکت سے
ہُوا کب یہ جہاں آباد ظُلم و جارحیّت سے
اگر آباد ہوگا یہ تو عدل و آدمیّت سے
اگر ہم نفس کے پیرو ہُوں اپنی ہی حماقت سے
کرینگے خود کو ہم دو چار خود ہی پھر ہلاکت سے
گرفتارِ بلا بھی ہم اگر ہوتے ہیں دنیا میں
یہ اپنے ہی بُرے اعمال سے ہے اور شقاوت سے
ہیں دل کا چین ہی کھو بیٹھتے ہم حرصِ دنیا میں
سکوں ملنا ہے ممکن بس توکل اور قناعت سے

بلاؤں سے اگر بچ کر میں زندہ اور سلامت ہوں
یہ سب اے خالقِ کُل ہے تری نظرِ عنایت سے
ہے دنیا میں یہ میری زندگی کا بہتریں لمحہ
کہ میں درگاہِ حق میں سر بسجدہ ہوں ندامت سے
تباہی نا مُرادی میں کوئی جیتا نہ مرتا ہو
تو حالِ زار ایسا کم نہیں ہوتا قیامت سے
اگر ہے زندگی میں کامراں اور شادماں کوئی
خدا ہی کے کرم سے ہے نہ اپنی قابلیّت سے
بخیلی پر غضب مخلوق و خالق کا برستا ہے
کہ بخل اِس کا ہے بنتا مُستحق اپنی ہی فطرت سے
سخی کو دل کی گہرائی سے ملتی ہے دُعا سب کی
برستی اُس پہ رحمت حق کی ہے اپنی سخاوت سے
جو بدلے میں بدی کے ہم ہی دُشمن سے کریں نیکی
یہ اِس کی شیطنت کا ہے جواب اپنی شرافت سے
مجھے توفیق دے یارب کہ مجھ سے بُغض جو رکھّے
جواب اِس کا میں دُوں اُس کو سدا اخلاق وشفقت سے
بُرے اعمال کا ہوتا بُرا انجام ہی جب ہے
یہ پھر ہے سوچنا ہم کو بچیں کیسے اِس آفت سے
جتن کر کے بھی ملتا بس وہی ہے جو ہے قسمت میں
اگر لالچ کریں ہم تو یہی ملتا ہے ذلّت سے

ہمارے واسطے بے غرض و مخلص وہ خدا ہی ہے
اگر خلقت ہمیں چاہے تو اپنی غرض و حاجت سے
ملا کرتا نہیں بیٹھے بٹھائے رزق دُنیا میں
ہے ملتا اپنی قسمت کا مگر محنت مُشقّت سے
یہ ہمسائے ہمارے اور رشتہ دار اور مُفلس
ہے اِن کا حق کریں اِن کی مدد ہم مال و دولت سے
سُپر طاقت کے ہاتھوں پِٹ رہی کمزور قومیں ہیں
یہ سب ہے سائنس و ٹیکنالوجی میں اپنی غفلت سے
وہ نمرُود و ہلاکو اور وہ فرعون اور چنگیز
ملی پھٹکار اِن کو عدل اور حق کی عدالت سے
سیاستکار ہو یا دیندار اب یا کوئی افسر
نہیں چلتا کوئی بھی آج اخلاص و دیانت سے
نہ جبر و ظلم و بدخواہی سے کوئی زیر ہوتا ہے
اگر ہوتا ہے تو نیکی سے ہمدردی مُروّت سے
حکومت کا ہے فرض انصاف اور حق قوم کو دینا
نہیں اُمّید اِس کی ظالم و بدخُو قیادت سے
یہ اہلِ اقتدار و اہلِ منصب اِس زمانے کے
انہیں کیا غرض خدمت سے انہیں مطلب ہے رشوت سے
پہنچ سکتے اگر ہیں مُدّعائے زندگی تک ہم
تو دُنیا کی اطاعت سے نہیں، حق کی اطاعت سے

جو ہیں جمہوریت میں منتخب ہوتے نمائندے
وہ کنبہ پرور و راشی ہیں بنتے کتنی جرأت سے
سکوں ہے دوستی میں، دُشمنی کرتی ہے ختم اِس کو
یہ ہمدردی سے ممکن ہے نہیں ممکن کدُورت سے
حسد اور بُغض و کینہ سے مسائل حل نہیں ہوتے
یہ ہوتے مشورَہ سے حل ہیں آپس کی رفاقت سے
ہو دُشمن کو بنانا دوست اِس میں پھر یہ لازم ہے
کہ اِس کو بخش دیں ہم پیش آئیں صاف نیّت سے
ہوئے انعامِ حق سے ہم اگر بدمست و ناشکرے
تو ہو جائیں گے ہم محروم اِس اعزاز و نعمت سے
یقیناً انبیا اور اولیا ہیں مر کے بھی زندہ
صدائیں آج بھی تو آ رہی ہیں اُن کی تُربت سے
ہمارے وعظ خواں صاحب ہیں کہتے کچھ تو کرتے کچھ
وجہ اِس کی ہے کیا یہ پُوچھ لیں گے آج حضرت سے
ہے آساں وعظ کرنا خود عمل کرنا مگر مُشکل
یہ سب ہے نفسِ امارہ و شیطاں کی شرارت
عبادت بھی کریں اور دوسروں کا حق بھی ہم کھائیں
خدا پھر خوش کہاں ہوگا بھلا ایسی عبادت سے
جو اپنا رزق ہو رزقِ حرام اور ہم دُعا مانگیں
نہ کیوں محروم ہو درگاہِ حق میں وہ اجابت سے

مصائب اور درد وغم نے جن کو مار ڈالا ہے
وہ نخرے کیا کریں کیا کام پھر ناز ونزاکت سے
مُقدّر کے لکھے کو ٹالتا ہے کون دنیا میں
نہ ہو سکتا ہے رُوگرداں کوئی حق کی مشیّت سے
پریشاں کُن مسائل میں ہے اب بے روزگاری بھی
یہ ہو کسب وہُنر سے حل تجارت سے زراعت سے
یہ بھی انسانیت کی ایک خدمت اور بھلائی ہے
دلوں کو شاد کرنا اپنے فن سے اور ظرافت سے
دل آزاری ہمیشہ کی ہے میری اہلِ دنیا نے
بہت جلتا رہا ہوں میں جہاں میں اِس اذّیت سے
نجات وکامرانی ہے ہمارے واسطے ممکن
فقط ایمانداری سے صداقت سے سعادت سے
اگر تعلیم حاصل کر کے بھی بے روزگاری ہے
غنیمت ہے طفیل اِس کے بچے پھر بھی جہالت سے
نہیں اچھّی ہے مایُوسی نہ کوشش چھوڑنا اچھّا
جو ہیں ثابت قدم وہ کامراں ہیں استقامت سے
جو اچھّے کام کرتے ہم رہیں نیکوں کی صحبت میں
تو ایسے ہم بُرائی سے ہیں بچتے اور خجالت سے
بڑی تیزی سے چلتا یہ زمانہ آج ہے لیکن
عیاں اِس کی حقیقت ہے پُرانی ہر کہاوت سے

بُرے اعمال ہی کرتے رہیں گر اِس جہاں میں ہم
توقّع خیر کی پھر بھی کریں ہم کیسے قُدرت سے
خدا کے خوف ہی سے ہم پگھل جائیں تو بہتر ہے
وگرنہ پھر پگھلنا ہے جہنّم کی حرارت سے
بناوٹ کے تخُّیل کو میں کیسے شاعری سمجھُوں
نہ کیوں دی جائے زینت شاعری کو اب حقیقت سے
نتیجہ ظُلم و حق تلفی کا بدامنی بغاوت ہے
جہاں میں امن ہوگا عدل وحق کی حاکمیّت سے
ہے مغرب دالفُور و مشرقی تیمور کا ہمدرد
فلسطیں میں مگر یہ گشت وخوں ہے بربریّت سے
رہے جیسے کہ شامل حق و باطل خیروشر اِن میں
ہوئے دونوں جہاں ویسے مُزیّن نُور وظلمت سے
نہیں ہے مال و جان وآبرو کی اب کوئی قیمت
ہوئی محروم ہے جیسے یہ دنیا آدمیّت سے
ہدایت پر عمل کرنا ہے انساں کے لئے مُشکل
کہ جب مجبور ہو وہ اپنی فطرت اور عادت سے
نہیں ہے اور کچھ بھی دائمی اِس دارِ فانی میں
فقط علم و عمل ہی شے ہے ایسی اپنی عظمت سے
کہے گر قوم مجھ سے یا اذاں دے یا امامت کر
میں دُوں گا دست برداری یقیناً پھر امامت سے

نہ جب شعر و ادب میں جذبۂ دل کارِ فرما ہو

اثر اِس میں نہیں آتا فصاحت سے بلاغت سے

غلط فہمی سے تم کو آج ہم پر بدگمانی ہے

حقیقت میں یہ سب کچھ ہے رقیبوں کی شکایت سے

مُسلّط غیر مجھ پر ہو کے میرا دل جلاتا ہے

یہ سب اے دلرُبا ہوتا ہے تیری ہی اجازت سے

کسی شے پر نہیں کچھ اختیار اپنا ہے انساں کا

جو بیتے اُس پہ اور جو کچھ کرے یہ سب ہے قسمت سے

چمن میں دل مرا اِن دو ہی چیزوں سے بہلتا ہے

نوائے مُرغِ خوش الحاں سے گُل کے ناز و نکہت سے

مزہ چکھنا ہی تو ہے موت کا ہر جان کو آخر

ہماری زندگی ہے موت کی محدود مہلت سے

گذرتی کیا ہے درد و غم کے ماروں دلفگاروں پر

نہیں پوشیدہ کچھ بھی سب عیاں ہے اِن کی حالت سے

خدایا اِن مصائب میں مری فریاد بھی سُن لے

کہ وابستہ مری اُمّید ہے تیری ہی رحمت سے

مُقدّر عاشقِ صادق کا جل کر راکھ ہونا ہے

ہوسکاروں کی دنیا بے خبر ہے اِس حقیقت سے

جو محبوبانِ حق ہیں وہ ہمیشہ دُور بھاگے ہیں

دکھاوے اور عزّ و جاہ سے اور نام و شہرت سے

نہیں مادی جہاں کی کھوج سے ملتی حقیقت ہے
حقیت تک پہنچتا ہے کوئی نُورِ بصیرت سے
خلیفہ اپنا دنیا میں بنایا حق نے انساں کو
ہے ذمہ دار اب وہ اِس خلافت اور نیابت سے
سیہ کاری سے ہوجاتا ہے دل اندھا بھی کالا بھی
وہ آخر میں تو پھر بنتا ہی بدتر ہے نجاست سے
بھری دنیائے دُوں میں ہر طرح کی جب بُرائی ہے
بچانا خود کو پھر لازم ہے اِس کی ہر کثافت سے
بڑوں کی بات بھی گھر میں نہ جو برداشت کرتا ہے
خباثت اور رذالت پھر ہے ظاہر اُس کی خصلت سے
ہدایت اپنے بندے کو نہ جب تک وہ خدا ہی دے
کبھی وہ راستی پر آ نہیں سکتا نصیحت سے
کتابوں میں جو نیکی علم اور حکمت کی باتیں ہوں
تو ملتا اجر ہے ایسی کتابوں کی اشاعت سے
بھٹکنے کا بھی ڈر اُس کو ہلاکت کا بھی خطرہ ہے
جو منزل کے سفر میں ہو جُدا اپنی جماعت سے
کروں شفقت میں سب کے ساتھ یہ میری تمنّا ہے
جبھی ہے ابتدا سے مجھ کو نفرت اجنبیّت سے
کسی سے گر ہمیں سب سے بڑا بدلہ ہی لینا ہو
تو ہم کو چاہئے ہم بخش دیں اس کو مُروّت سے

کروں کیسے کسی پر اعتراض اور نکتہ چینی میں
کہ ہوتا جو بھی کچھ دنیا میں ہے یہ سب ہے قسمت سے

یہ دنیا بھی ہے فانی زندگی اپنی بھی فانی ہے
اسے ہم دائمی سمجھے ہیں غفلت اور حماقت سے

اہم سچائیاں ہوں زندگی کی سامنے اپنے
تو چھٹکارا ملے تکرارِ جدّت اور قدامت سے

یہ فحّاشی یہ عُریانی یہ فیشن اِس زمانے کا
ہے نالاں آدمیّت ایسی تہذیب و ثقافت سے

ملے گا پھر کہاں انصاف اُس دعویٰ کو نالش کو
عدالت میں جو ہو محروم مُنصف کی سماعت سے

یہ اندھوں کی ہے دنیا بے بصر لوگوں کا عالَم ہے
یہاں واقف نہیں کوئی کسی کے دل کی حالت سے

مگر دیکھے ہیں مردانِ خدا بھی ہم نے دنیا میں
نہ ظاہر اور نہ باطن ہے چھُپا جن کی بصیرت سے

میں کیسے احتجاجی شاعری کو چھوڑ سکتا ہوں
کہ مجھ کو بھی تو مارا ظالموں نے ہے رذالت سے

کتابیں پڑھنے والو کیا خطا اِس میں مُصنِّف کی
جو اِن کو چھاپنے میں غلطیاں کچھ ہوں کتابت سے

بھلا اُن مومنوں کی نیک بختی میں شبہ کیا ہے
بپا کہرام ہو جائے جہاں میں جنکی رحلت سے

عبُودیّت کا یارب بوجھ تُو نے مجھ پہ ڈالا ہے
اُٹھا سکتا ہوں کیونکر ہے یہ زیادہ میری طاقت سے
کوئی جیسا کرے ویسا بھرے ہی اک حقیقت ہے
عمل اپنے ہی سے ملتا ہے پھل اور اپنی نیّت سے
اگر ہم اپنا کردار و عمل دنیا میں کھو بیٹھے
تو گویا ہاتھ دھو بیٹھے ہم اپنی قدر و قیمت سے
اگر دل سخت ہو اور رحم دل سے ختم ہو جائے
سمجھ لو ہو گئے محروم پھر ہم آدمیّت سے
چھپے ہوں گے نہ جانے کیا خصائل نفس و باطن میں
بظاہر خوشنُما لگتا ہے کوئی شکل و صورت سے
حقیقت میں بڑی بدقسمتی ہمّت کی پستی ہے
کہ ناممکن بھی ہو جاتا ہے ممکن صبر و ہمّت سے
اگر ہم اپنی جان و مال کا صدقہ نہیں دیتے
تو ہم محروم ہو جاتے ہیں اس کی خیر و برکت سے
یہ دنیا مرنے والوں کو پھر ایسے بھول جاتی ہے
کہ جیسے ہو یہ انجانی ہی اِن کی شکل و صورت سے
جو ظالم کو کہے مظلوم اور مظلوم کو ظالم
صداقت کی کریں اُمیّد کیا ایسی صحافت سے
نہ یہ خالی تخیُّل ہے نہ پند و وعظ کی باتیں
مرے اشعار کا ہے واسطہ اکثر حقیقت سے

مجھے تقدیر کی اِس شر پسندی پر تعجُّب ہے
کہ بربادی تباہی بھی ہوا کرتی ہے قسمت سے
نہ ہوتا عدل وحق سے تبصرہ بھی اب ہے خبروں پر
یہ سب ہے ریڈیو پریس اور ٹی وی کی قباحت سے
نہ تم جو درد دیتے ہم بھی شکوہ کس لئے کرتے
خفا ہوتے ہو کیوں اب تم ہماری اِس شکایت سے
جہاں تقدیر کی دونوں جہاں پر حکمرانی ہو
وہاں پھر کیا خطا کس کی ہے پوچھیں گے یہ قدرت سے
میں نادم ہوں جہاں میں اے خدا اپنی خطاؤں پر
بہت لرزاں میں رہتا ہوں ترے جبروت وہیبت سے
گناہوں سے تو گندہ دل بھی اور باطن بھی ہوتا ہے
تلافی اِس کی ہوگی نیکیوں سے اور نُزہت سے
مری ناکامیوں پر آج جو خوشیاں مناتے ہیں
کبھی اُن پر بھی یہ بیتے گی اُن کی اپنی نیّت سے
غریبوں بے نواؤں پر جہاں میں کیا گزرتی ہے
یہی میں پُوچھتا ہوں آج کے سب اہلِ ثروَت سے
بلائیں آفتیں جو اِس جہاں کو گھیر لیتی ہیں
ہُوا کرتا ہے اکثر یہ گناہوں کی نحُوست سے
نہ کیوں ہوں رحمتیں نازل بلائیں دُور ہو جائیں
کریں گے یادِ حق اور نیکیاں ہم سب جو کثرت سے

نہ ہرگز مبتلا ہوتے کبھی دھوکے میں ہم اِس کے
سبق جو سیکھتے دنیائے دُوں کی اِس رذالت سے
نہ یک طرفہ محبّت کامراں ہوتی ہے دنیا میں
کہ اِس کی کامرانی ہے دُو طرفہ مہر و اُلفت سے
مرا یہ دردِ دل تو اِس جہاں میں عُمر بھر کا ہے
شفا ہو جائے کاش اے چارہ گر اب تیری حکمت سے
بُرائی سے بُرائی پھیلتی جیسے ہے دنیا میں
ہے نیکی سے بھی نیکی پھیلتی آئینِ فطرت سے
عمل کوئی ہو تو اس کے خلاف اِس کے برابر کا
ہُوا کرتا ہے اک ردِّ عمل قانونِ قدرت سے
جو دنیا میں رہا آئینِ فطرت پر سدا محکم
نہ کیوں فطرت نوازے اس کو پھر اپنی بشارت سے
جو امریکہ کی بڑھتی جارہی یہ جارحیّت ہے
یہ قوموں کا ہے قتل اب اس کی چنگیزی خباثت سے
یقیناً ہم پہ ہمسائے کا دنیا میں بڑا حق ہے
ادا ہو گر نہ یہ تو ہم ہیں خارج پھر سعادت سے
میں تابع حق کے بندہ حق کا ہوں اس سے ہی ڈرتا ہوں
مگر دنیا ہے کہتی میں ڈروں اِس کی بھی ہیبت سے
یہ دنیا مشرقی تیمُور کو دیتی رہائی ہے
فلسطیں میں ہے لیکن قتل و غارت ایک مدّت سے

کوئی ہر دلعزیز اخلاق و ہمدردی سے بنتا ہے
نہیں ملتا شرف یہ بدتمیزی سے جسارت سے

صحافی جو کہ اب یا قتل یا ہیں قید ہوجاتے
ہے سب یہ ہورہا حُکّام ہی کے حُکم و چاہت سے

غریبی بھُوک بیماری و بیکاری کا یہ طُوفاں
کہ نالاں آج تک انسانیت ہے اِس مُصیبت سے

بشیؔر اشعار کی تعداد کم رکھا کرو اب تُم
کبھی کوئی پڑھے تو بور ہوگا اِس طوالت سے

☆☆☆

